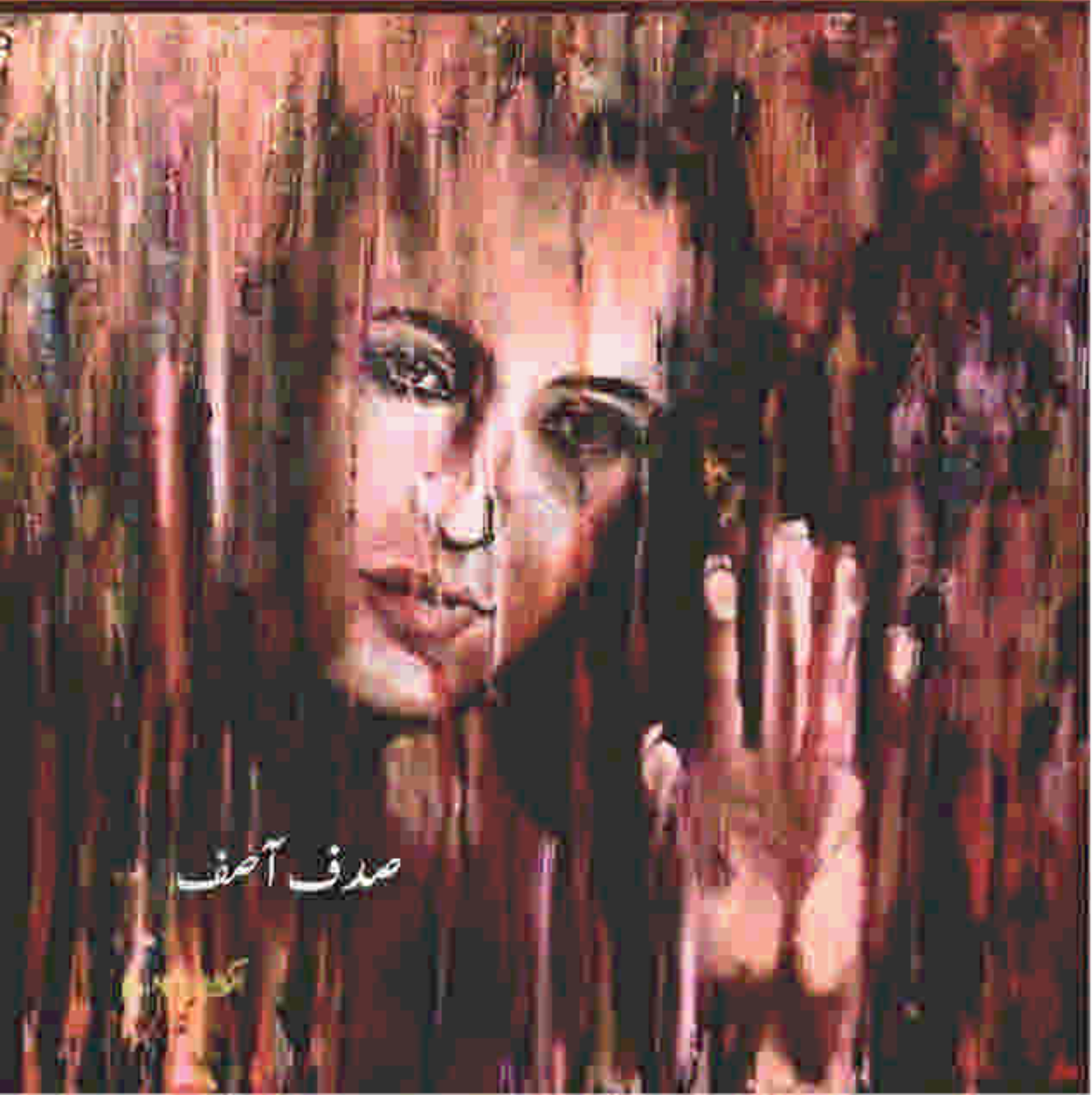


اسیر وفا



صدف آصف

اسیرِ قلعہ

تاب ہو گیا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر گھڑی کی جانب دیکھا تو منہ لٹک گیا۔
”اس وقت تو وہ آفس میں ہوگی۔ اب تو رات کو ہی ملاقات ہو سکتی ہے۔“ فہام نے جیل لگے بالوں کو انگلیوں سے مخصوص انداز میں سیٹ کرتے ہوئے خود کو دلا سادیا اور ٹی وی لائونج کی جانب چل دیا۔



”اف ویدا کی بیٹی۔۔۔ ہی آجاتی، کچھ بوریت تو کم ہوتی۔“ اس نے ٹی وی چینلز کی سرچنگ کرتے ہوئے بہن کو یاد کیا، جو سسرالی جھمیلوں سے فراغت پا کر ہی میکے کا رخ کر پاتی۔

”دنیا۔۔۔ کہاں سے کہاں نکل گئی۔ مگر یہ لوگ ایک دوسرے کو نچا دکھانے پر ہی تلے رہتے ہیں۔“ اس نے بے زار سامنے بنا کر ریموٹ پر لگے آف کے بٹن کو دبا دیا۔ ایک جیسے سیاسی ٹاک شوز میں بے تگے بحث و مباحثہ اور الزام تراشیوں کی بھرمار۔

”صاحب چائے۔“ آیا زلیخا نے چھوٹی سی ٹرے اس کے پاس رکھ دی۔ وہ چسکیاں بھرتا رہا پھر اخبار پر نگاہ دوڑائی۔ کچھ دیر بعد اٹھا ایک طویل انگڑائی لی اور دوبارہ کمرے کی طرف چل دیا۔ اتنے دنوں کی مسلسل مصروفیت کے بعد یہ فراغت اسے بو جھل کیے دے رہی تھی۔

کمرے کی فضا میں خوشگوار سی ٹھنڈک نے اس پر خمار طاری کر دیا، کچھ اور نہ سوچھا تو سفری بیگ کھول کر بیٹھ گیا، ماما کا فرمائشی کرشل کا فلاں دروازہ نکال کر انہیں

اس نے جیسے ہی سلک کے پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھولیں، کمرے کی فضا ایک دم بدل گئی تاریکی نے روشنی کا سفر بڑی سرعت سے طے کیا، اپنائیت بھرا مانوس سا اجالا کمرے پھیلتے ہوئے اس کے وجود میں سرایت کرنا چلا گیا، ٹھنڈی ہوائ نے ماحول میں تازگی بکھیر دی۔

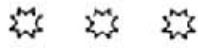
فہام مرزا نے ایک طویل سانس لی۔ وہ پورے دو مہینے بعد اپنے شہر لوٹا تو اس کا انگ انگ ٹکان زدہ ہو رہا تھا، سنگاپور میں کام کا اتنا پریش تھا کہ صبح گھر سے نکلتا تو رات گئے تک لوٹا۔ ایسے میں ایک چائے کا کپ بناتے ہوئے بھی آنکھی ہوتی۔ بھلا پردیس میں گھر جیسا آرام کہاں اور وہ ٹھہرا اپنے ماما کی بگڑی اولاد جو گھر میں بل کر پانی بھی نہ پینے۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر گھنے بالوں کو سنوارتے ہوئے اس کی نگاہ اچانک کارنر پر رکھے بلیک باکس پر پڑی، اٹھا کر کھولا تو پلائٹیم کے قیمتی کف لنکس نگاہوں کے سامنے آگئے، لڑنے اس کی پچھلی برتھ ڈے پر بڑے پیار سے یہ اول شپ والے کف لنکس خرید کر گفٹ کیے تھے۔ اس نے انگلی سے اس پر جڑے ڈائمنڈ کو چھو اور مسرور ہو گیا۔

فہام لیزا کی یادوں کی طرح اس کی دی ہوئی ہر چھوٹی چیز کو بھی بہت سنبھل کر رکھتا۔ آنکھیں بند کر کے تصور جاتیں کیا تو وہ حسین چہرہ خیالوں پر جھانپنا چلا گیا۔

وہ جب بھی اسے سوچتا محسوس کرتا، پیاسے ریکسٹن پر چاہت کی برکھایوں کھل کر برسی کہ صبح تک سیراب ہو جاتی۔ فہام کا دل لیزا سے ملنے کو بے

بانو نے بتایا تو وہ مسکرا دیا، اسے اپنی بہن سے بہت زیادہ
انسیت تھی اور بھانجوں میں تو جیسے جان انکی رہتی۔



”یہ لوگ... کام کم اور غلطیاں زیادہ کرتے ہیں“
لیزا آفس میں بیٹھی ایک بڑی اہم جائزہ رپورٹ کے
نکات کو ریچیک کرتے ہوئے بڑبڑاتی۔
”اتنے بڑی ٹائم میں کس کو یاد آگئی“ اس کا سیل
فون جو سامنے میز پر رکھا ہوا تھا ایک دم بج اٹھا۔ فون

تھمایا، پیپا کے لیے شاندار بھورے رنگ کا مفلر بھی ماما
کے حوالے کر دیا، وہ وید اور ہنو کی ریاض احمد کے لیے
سنگاپور سے پرفیومز لایا تھا۔ انہیں سائڈ میں رکھا۔
”ماما... یہ ٹائم اور جیری کب تک پہنچیں گے؟“ وہ
بھانجوں کی فرمائش پر ڈھیروں چاکلیٹس لایا تھا،
سارے ڈبے ایک شاپر میں رکھ کر فریج میں احتیاط
سے رکھتے ہوئے پوچھا۔
”بیٹا... ویدانے شام تک پہنچنے کا کہا ہے۔“ سری



مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com



اٹھا کر نمبر چیک کیا۔ اسکرین پر ”فیم“ کا نام چمکتا دیکھ کر سربراہ ہونگئی۔

”اچھا تو مسٹر کی واپس ہو گئی۔“ وہ خوشگوار انداز میں زیر لب بولی اور پیپر ز کو احتیاط سے پن کرنے لگی۔

”می۔۔۔ آئی۔۔۔ نو۔۔۔ ہو۔۔۔ ان۔۔۔ کالنگ (میں جان سکتی ہوں کون فون کر رہا ہے۔“ لیزا کال پک کر کے فون کان سے لگاتے ہوئے بن کر پوچھتی ہے۔

”یس۔۔۔ دس۔۔۔ ان۔۔۔ یور۔۔۔ ڈارلنگ۔“ وہ بھی پیارے انداز میں جواب دیتا ہے۔

”آپ کو چین نہیں؟۔۔۔ یہاں پہنچتے ہی کال کر دی۔“ اس کی کھٹکتی ہنسی فہم کے کانوں میں رس گھولنے لگی۔

”کیا کریں۔ لڑکے پاس چین و قرار گروی جو رکھ چھوڑا ہے۔“ وہ جب بھی اس انداز میں بولتا، لیزا کا دل دھڑک اٹھتا۔

”اوہو۔۔۔ تو۔۔۔ آپ کو واقعی مجھ سے بہت محبت ہے۔۔۔“ وہ کچھ سوچ کر اتر آئی۔

”جی میم یہ دسی لڑکا سچ میں اک بدسی لڑکی کی محبت کا اسیر ہو چکا ہے۔“ فہم جوش اور روانی میں بلا جھجک اعتراف کرتا ہے۔

”اوہ۔۔۔ ہلو مسٹر میں بھی آدمی دسی ہوں۔“ اس نے مسکرا کر فخر سے جواب دیا اور چین اٹھا کر ایک کانفڈ پر سائن کرنے لگی جو ار جنٹ کو رہ کرنا تھا۔

”ایک بات بتاؤ تم یہ بات بار بار کیوں پوچھتی ہو؟“ وہ مسکرا کر سیل فون دوسرے کان سے لگا کر مزہ لیتا ہے۔

”نہیں میں نے تو بس یوں ہی کہا اور آپ بیلون کی طرح پھول گئے۔“ اس کے چہرے پر گلاب سے کھل اٹھے۔ فہم کا یوں اظہار کرنا اس کے وجود کو آسودگی بخشتا تھا۔ دونوں طرف لمحہ بھر کی خاموشی چھائی۔

اچانک شفاف شیشے کے دروازے سے کچھ لوگ اس کے کیبن کی طرف آتے دکھائی دیے۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”اب رکھتی ہوں بعد میں ملتے ہیں۔“ لیزا نے

جلدی سے لائن کاٹ دی۔ فہم جانتا تھا کام کے معاملے میں وہ کتنی نظم و ضبط کی پابند ہے۔ اسی لیے برامانے بنا فون بند کر دیا۔



”میں پوچھتی ہوں، سو کہاں کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟“

بلو خالہ نے دیدے گھماتے ہوئے دور سے وید اگو فوکس کیا اور قریب آ کر پوچھا، وہ گنگناتے ہوئے بچوں کو ننھیال جانے کے لیے تیار کر رہی تھی، ان کے چھاپے پر ایک دم چونک اٹھی۔

”جی۔۔۔ وہ ممائی طرف جاؤں گی“ وید اگے دھیرے سے جواب دیا۔ اس وقت وہ ان سے بالکل الجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

”ہاں۔۔۔ بھی مصیبت تو اس گھر پر ٹوٹی ہے مگر تمہیں کیا، لگی رہو اپنی موج مستی میں“ وہ چبا چبا کر بولتی چلی گئیں۔

بلقیس کی شروع سے ہی ”عقل چھوٹی اور زبان لمبی“ تھی یہ ہی وجہ شادی نہ ہونے کا سبب بنی، اور والدین کے گزر جانے کے بعد روح پر محرومی کی ایسی چھاپ لگی کہ تا عمر دوسروں کی خوشیوں سے جلتے بھٹتے گزاری، جب بھائیوں کا صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا، تو بہن کے در پر آ کر پڑ گئیں۔ اب یہاں کا چین سکون انہیں کالے ڈالتا۔

”نہیں۔۔۔ خالہ۔۔۔ وہ بھائی سنگاپور سے لوٹا ہے۔ اس لیے ممانے ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے“ وید اگے چھوٹے فمد کے بالوں کو سنوارتے ہوئے ان کی تشفی کرانا چاہی۔

”یہ لو میں پوچھتی ہوں کیا تمہارا بھائی کہیں کالا رڈ گورنر ہے، جو اس کے میکے میں قدم رکھتے ہی تمہیں اکیس توپوں کی سلامی دینے کے لیے پہنچنا ضروری ہے، ایک دو دن بعد چلی جاتیں۔“ بہو بیگم کی بے نیازی انہیں تپائی تاک تاک کر طنز کے تیر چلانے۔

”جی۔۔۔ آج جانا ضروری ہے۔“ وید اگے ان کی جرح پر چڑنے لگی پھر بھی منہ موڑ کر نرمی سے جواب دیا،

”یہ لو میں پوچھتی ہوں کیا تمہارا بھائی کہیں کالا رڈ گورنر ہے، جو اس کے میکے میں قدم رکھتے ہی تمہیں اکیس توپوں کی سلامی دینے کے لیے پہنچنا ضروری ہے، ایک دو دن بعد چلی جاتیں۔“ بہو بیگم کی بے نیازی انہیں تپائی تاک تاک کر طنز کے تیر چلانے۔

”جی۔۔۔ آج جانا ضروری ہے۔“ وید اگے ان کی جرح پر چڑنے لگی پھر بھی منہ موڑ کر نرمی سے جواب دیا،

پر چڑنے لگی پھر بھی منہ موڑ کر نرمی سے جواب دیا،

عزت انہیں کہاں اس آئی۔ وہ مزید سر پر چڑھ گئیں۔
 ”تمہارے لیے بھنوکے طبیعت سے بھی زیادہ کچھ
 ضروری ہے؟ دیکھا نہیں طائلہ کی وجہ سے وہ کتنی لاغر
 ہو رہی ہے۔ مگر تمہیں سیرپائوں کی پڑی ہے، بلو خالہ
 نے اس کے مقابل کھڑے ہو کر کھیلے لہجے میں بتایا۔
 ”بلو خالہ۔۔۔ پلیز آپ ہر وقت میرا پیچھا نہ لیا
 کریں۔“ وہ بھی انسان بھی زچ ہو کر چیخ پڑی انہیں تو
 جیسے موقع دے دیا گیا ہو، اپنے ڈیلے گھمائے اور بہن
 کے کمرے کی طرف منہ پھیر کر شروع ہو گئیں۔
 ”ارے بھنو سنتی ہو۔ بس اب تمہارے گھر میں
 میری یہ ہی اوقات رہ گئی، ہر ایک منہ کو آنے لگا
 ہے۔“ بلو خالہ نے بڑے دردناک انداز میں چھوٹی بہن
 کو پکارا۔ ویدا ایک دم زرد پڑ گئی، شادی کے پانچ سال
 گزرنے کے باوجود اسے اپنی ان ساس در ساس سے
 بہت خوف آتا تھا، جو اسے کسی بھی معاملے میں
 رعایت دینے کو تیار نہ ہوتیں۔

”کیا ہوا۔۔۔ باجی کیوں چلا رہی ہیں۔ پتا بھی ہے کہ
 میری صبح سے کتنی طبیعت خراب ہے۔“ ثروت دیوار
 پکڑ پکڑ کر کمرے سے باہر نکلیں۔ اتنا چلنے میں ہی
 ہانپ اٹھیں۔ ویدا نے آگے بڑھ کر ساس کو سہارا دیا۔
 ”بھنو۔۔۔ ذرا اپنی بہو کے پیچھن دیکھو۔ شادی سے
 بند رہ دن پہلے نند کی بات ختم ہو گئی ہے اور یہ خوشی کے
 نغے گنگنا تیں، میکے جانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔“
 بلو خالہ نے دانت کچکچا کر ویدا کو گھورا جو پریشان
 نظروں سے کبھی ساس اور کبھی خالہ ساس کے مکالے
 سن رہی تھی۔

”کسی کو کیا بولیں۔۔۔ جب طائلہ کی قسمت میں ہی
 گھن لگ چکا ہے۔ مجھے تو فکر ہے کہ اب کون میری
 بچی کو بوجھے گا۔“ ثروت بمشکل کرسی پر دراز ہوئیں اور
 ہاتھ ملتے ہوئے وہ ہی باتیں دہرانے لگیں، جو پچھلے کئی
 دنوں سے سن سن کر اس گھر کے در و دیوار تک علوی ہو
 چکے تھے۔

”ہائے۔۔۔ ہائے۔۔۔ بندہ گزرنہ دے، گڑ جیسی بات
 ہی کر لے۔ اب اگر تمہاری بہو اسی برادری کی ہوتی تو

اسے ہمارا دکھ درد محسوس ہوتا، طائلہ سے ہمدردی
 ہوتی۔۔۔ کچھ اور نہ سہی۔۔۔ ہم سے تسلی کے دو لفظ ہی
 بول لیتی، مگر انہیں تو بس اپنے میکے کی ہی پڑی رہتی ہے۔“
 بلو خالہ نے گھما پھرا کر بات وہیں پہنچا دی، جہاں سے
 شروع ہوئی تھی۔

”نہیں باجی۔۔۔ ویدا۔ ایسی نہیں۔۔۔ بے چاری۔ دو
 دن سے تو میرا اتنا خیال رکھ رہی ہے۔ آج میں نے خود
 ہی اسے زبردستی بھیج رہی ہوں۔ کتنے دنوں بعد۔ بھائی
 وطن لوٹا ہے اچھا ہے مل لے گی۔“ ثروت کی ذہنی
 حالت بہت ابتر ہو رہی تھی، باتیں بھول جاتیں۔
 تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو بہو کی صفائی پیش کی۔

”خالہ۔۔۔ مجھے بھی طائی سے بہت محبت ہے۔ اس
 واقعے پر بہت افسوس ہے۔ مگر بھلا قسمت کے آگے
 کسی کا بس چلا ہے کیا؟“ ویدا کو ساس کی بات سے
 سہارا ملا۔ تو اپنی پوزیشن کلیئر کرنے لگی ساتھ ہی
 ثروت کو گلو کو زلما پالی پلایا۔

”اری بہو۔۔۔ یہ ساری زبانی کلامی باتیں۔۔۔ چھوڑ دو۔“
 کچھ سوچ کر بلیقیس کی آنکھیں چمکیں تو ویدا سے
 کہا۔

”یہ صرف باتیں نہیں۔۔۔ مجھے اس گھر اور یہاں
 رہنے والے ایک ایک فرد سے بہت محبت ہے۔“ وہ چڑ
 کر بولی۔

”اچھا۔۔۔ اگر تمہیں واقعی سب سے محبت ہے۔
 تو کوئی عملی اقدام اٹھاؤ۔“ بلیقیس کے دماغ میں اس وقت
 شیطان گھس آیا، ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکا کر، انہوں
 نے ویدا کو گھیرا۔ ثروت نے حیران ہو کر بہن کو دیکھا۔
 ”کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟“ اس نے پریشانی
 سے الجھ کر پوچھا۔

”لو۔۔۔ سنو میں کیا فارسی بول رہی ہوں بھئی اچھا سا
 لڑکا دیکھ کر نند کی شادی کروادو۔“ بلو خالہ نے ہاتھ جھاڑ کر
 حل پیش کیا۔

”اچھا سا لڑکا؟“ وہ ابھی تک نہیں سمجھی، باری
 باری سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کی جانب دیکھا۔
 ”کیوں کیا تمہارا بھائی اچھا لڑکا نہیں؟“ بلیقیس بانو

چمک کر بولتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ مار کر نہیں۔ بہن کی تجویز پر ثروت کی بھتیجی آنکھوں میں جیسے روشنی سی بھرنی۔

”فہام بھائی گروہ“ دیدا کے ہاتھ پر اس نئی افتاد پر سن ہونے لگے۔ اس کے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بلو خالہ کے پھیلائے گئے اس جال کو کیسے کاٹے۔

”ہاں تمہارا بھائی اتنا قابل ہے۔ اس کی شادی طائفہ سے کروادو۔“ بلقیس نے قابل پر زور دیتے ہوئے دوبارہ ہلچھڑی چھوڑی۔

”میں سوچتی ہوں۔“ اس نے ساس کی امید بھری نگاہ خود پر محسوس کی اور وہاں سے اٹھ گئی۔

”اب آئی اونٹنی پہاڑی کے نیچے“ بلقیس کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ چھا گئی۔ ثروت جا کر صوفے پر لیٹ گئیں۔ وہ اس معاملے میں بہو پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ مگر بہن کی تجویز پر ایک امید کا دیا جل اٹھا۔

”سارے فرائز ختم کرنے ہیں اور کچھ کپڑوں پر بالکل نہیں گرانے کے۔“ دیدا بچوں کو فریج فرائز کے ساتھ ہدایت دینے کے بعد کمرے میں لولی تو بے دم ہو کر بستر پر لیٹ گئی۔ بلقیس خالہ نے ہمیشہ اس کی شادی شدہ زندگی میں زہر گھولا، ساس دل کی اچھی ہونے کے باوجود بہن کی باتوں پر یقین کر کے اکثر بہو سے ناراض ہو جاتیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورت حال پیدا ہو چکی تھی۔ اس نے کافی دیر اس مسئلے پر سوچا۔

”واہ۔۔۔ یوں تو ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔“ دیدا کے دماغ نے اچانک ایک نئی بات بھائی، وہ جوش سے اٹھ بیٹھی۔

”بلو خالہ کے ساتھ رہتے رہتے۔ میں بھی ان ہی کے انداز میں سوچنے لگی ہوں۔“ اس نے خود کو شاباشی دیتے ہوئے ماما کا ہمبر ملایا۔

”وہ نکلیس کہاں گیا، جو۔۔۔ لڑکے لیے مصطفیٰ سینٹر سے خریدا تھا؟“ فہام نے اطمینان سے کراہندہ کر

کے سوٹ کیس کی عقبی جیب کی زپ کھولی، ہاتھ ڈال کر پوری پاکٹ چھان باری، کچھ کچھ نہیں ملا۔

”اوہ شاید وہیں نیبل پر رکھا رہ گیا“ اس نے یاد آنے پر سر پر ہاتھ مارا۔۔۔ پل بھر کا نظار افسوس کیا۔ اور پھر عادت کے مطابق دوسرے آپشن پر غور کرنے لگا۔ وہ ہر کام میں دوسرے آپشن کو پیش نگاہ رکھتا۔

”اس کے لیے کچھ نہ لاسکا تو کیا ہوا؟ ازالہ کے طور پر یہیں سے کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کر لیتا ہوں۔“ اس نے گھر سے باہر نکل کر ذہن دوڑایا۔

شہر کے سب سے بڑے مال سے اس نے زنڈہ شاپنگ کے نام پر جانے کیا کیا الم علم خرید ڈالا، پسندیدہ جیولر شاپ کے سامنے گزرتے ہوئے پل بھر کو ٹھٹکا۔ اس کی نگاہیں تازک سی سونے کی رنگ پر ٹھہر گئیں۔ جس پر جڑا ہوا جیم لشکارے مار رہا تھا۔

”یہ تو بی بی لڑکے لیے ہے“ اس نے رنگ کو ہاتھ میں لے کر پرکھا۔۔۔ اسے بھی خرید لیا، لیزا گولڈ کی تازک سی جیولری کی دیوانی تھی۔ اسی لیے فہام نے اسے ہمیشہ سونے کا زیور ہی گفت کیا، کافی دیر بعد واپسی کی راہ لی۔

”تھک گیا ہوں۔“ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر نیند غالب آنے لگی، شام کو لڑے ملاقات کا سوچ کر ہی ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی، تکیہ بغل میں دبا کر لمبی تان کر سونے کا ارادہ بندھا۔ اچانک دروازہ دھڑ سے کھلا اور اسری بیگم حیران و پریشان بیٹی کی انوکھی فرمائش لیے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں، اتنے میں اطلاعی ٹھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ وہ دوسری طرف مڑ کر دیکھنے لگیں۔

لیزا کو شروع سے ہی پاکستان سے ایک انیسیت سی محسوس ہوتی، وہ پاکستانی مردوں سے بھی خاصی متاثر تھی، اس کا ایک سبب والد اختیار بیگ کا اسی ملک سے تعلق ہونا تھا۔ وہ بچپن سے باپ سے ان کے وطن کے حوالے سے اتنی باتیں سن چکی تھیں، اسے دیکھے بنا ہی

”وہ نکلیس کہاں گیا، جو۔۔۔ لڑکے لیے مصطفیٰ سینٹر سے خریدا تھا؟“ فہام نے اطمینان سے کراہندہ کر

پاکستانی معاشرت اور ثقافت سے شناسائی حاصل ہو گئی۔

برسوں پہلے اختیار بیگ اپنے اسٹڈی ٹور پر برطانیہ گئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس وقت عالمی سیاست پر نائن الیون کا کالا سایہ نہیں پڑا تھا، حالات آج کے مقابلے میں قدرے بہتر تھے۔ اس لیے انہیں نمیشنلٹی کے لیے زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

وہ ایک سیلف میڈ انسان تھے، والدین کا بچپن میں انتقال ہو چکا تھا۔ رشتے کے ایک چچا نے ترس کھا کر پرورش کا ذمہ اٹھالیا، اختیار نے دن رات محنت کی مگر تعلیم کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔ برطانیہ سے اعلاؤگری کا حصول ان کا جنون بن چکا تھا۔ آخر قسمت نے یادوری کی اور اسکالر شپ حاصل کر کے مزید پڑھنے کے لیے لندن پہنچ گئے۔ اور دل لگا کر برعنائی شروع کر دی۔ اسی دوران چچا کے انتقال کی خبر آئی تو انہیں لگا وطن سے جڑا، کمزور سار رابطہ بھی ٹوٹ گیا۔ اب واپس جاتے بھی تو کس کے لیے یوں اعلاؤگری ہاتھ میں آنے کی دیر تھی کہ انہیں لندن کی ایک بہت اچھی فرم نے جاب آفر کر دی۔ اختیار نے بہت سوچ سمجھ کر مزید چند سال یہاں گزارنے کا فیصلہ کیا اور پھر میس سیٹل ہو گئے۔

ایلیس پیری ان کی کلاس میٹ تھی، وہ اختیار بیگ کی خوب روٹی، خاموش طبعی اور نرم مزاجی سے بری طرح سے گھائل ہو گئی، اسے لگا کہ ان کے بغیر جینا بے معنی ہے۔ اس نے اختیار بیگ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا مگر وہ ہنس کر ٹال گئے۔ اختیار بیگ کی ادائے بے نیازی نے ایلیس کو ان کا مزید دیوانہ بنا دیا۔ ایلیس بالغ ہو چکی تھی۔ اپنے گھر والوں سے شادی کی اجازت طلب کی تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا، ان کے والدین قدامت پسند لوگ تھے، جو اپنے عقائد کے خلاف جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں ان کی بیٹی ایک مسلمان کو داماد بنانے کی خبر سنا رہی تھی۔ سب مل کر اسے سمجھانے میں لگ گئے مگر ایلیس اپنی ضد پر اڑی رہی۔ وہ اختیار بیگ کی خاطر اپنی پوری فیملی سے ٹکری لینے کو تیار ہو گئی۔

وہ اس کی ثابت قدمی پر حیران رہ گئے، زندگی میں پہلی بار انہیں محبت کا ذائقہ محسوس ہوا، تو خوف زدہ ہو کر پس منظر میں چلے گئے۔ اس سے ملنا ترک کر دیا۔ ایلیس والدین کی بے جا سختی سے تنگ آ کر ایک دن اپنے بڑے سے گھر کو چھوڑ کر کلج فرینڈ جمیکا کے فلیٹ میں شفٹ ہو گئی اور اس کا ایک کمرہ کرائے پر شیئر کر لیا۔

اس کے بعد اختیار بیگ کو فون کر کے اپنے اقدام کی خبر دی تو وہ ہکا بکا رہ گئے، ان کے لیے اب پیچھے ہٹنا مشکل ہو گیا۔ وضع داری نبھاتے ہوئے شادی کی حامی بھری۔ وہ خوشی سے ناچ اٹھی، مگر اختیار کے ذہن ابھی بھی ایک پھانس لٹکی رہ گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ ایلیس بغیر کسی مجبوری یا جبر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے اور نکاح نامے میں اس کا نام ایلیس کے بجائے فاطمہ لکھا جائے۔

انہوں نے ایلیس سے بس ایک استدعا میں اسے اسلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی۔ اس کی قسمت میں شاید یوں ہی چمکتا لکھا تھا، اسلام کا گہرائی سے جا کر مطالعہ کرنے کے بعد ایلیس نے پورے ایک ہفتے سوچ بچار میں گزارے اور آخر اسلامک سینٹر میں جا کر بخوشی اسلام قبول کر لیا، اختیار بیگ کے دل سے پھانس نکل گئی وہ مسرور ہو گئے۔

دوسرے دن ہی دوست احباب نے مل کر ایک چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا، جہاں سادگی سے ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد اختیار بیگ کو احساس ہوا کہ قدرت نے ساری عمر کی محرومی کا ازالہ فاطمہ کی شکل میں کر دیا، جلد ہی عائشہ جسے وہ لوگ بیمار سے لیزا پکارنے لگے زندگی میں بہار بکھیرنے آ گئی تو گویا ان کی جنت مکمل ہو گئی۔

تین سال ایک دوسرے کی سنگت میں کیسے گزرے، یہاں نہیں چلا۔ دونوں خوشیوں کے ہندولوں میں بے فکری سے جھولے جارہے تھے کہ ایک دن جیسے رسی ٹوٹ گئی اور سب کچھ ختم ہو گیا۔ فاطمہ کی زندگی نے وفانہ کی دوسرے بچے کی پیدائش پر کچھ ایسی پیچیدگی ہوئی کہ ماں اور بچہ دونوں جانبر نہ ہو سکے۔

اختیار بیگ کے لیے یہ صدمہ ناقابل تلافی تھا وہ بہت دنوں تک اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے، لیزا کو بھی مینی نے سنبھالا، تاہم وہاں کی تیز رفتار زندگی میں دنیا سے کٹ کر رہنا خاصا مشکل تھا، معاشی مسائل منہ پھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھانے پر خود کو سنبھالا اور بیٹی کی خاطر زندگی کی جانب بے دلی سے لوٹ آئے۔ یاروں نے ان پر دوسری شادی کے لیے بہت زور ڈالا، ایک دورشتے چھٹی بتائے گئے مگر سب لاکھڑا۔

اختیار بیگ نے اپنی محبوب بیوی کے ساتھ گزارے گئے لمحوں کو یادوں میں محفوظ کر کے زندگی کے اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ اب ان کے جینے کی وجہ صرف لیزا تھی، اسے اعلا تعلیم دلانے کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت میں بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ انہوں نے اسے وطن کی محبت اور اپنی زبان سے روشناس کرایا، باپ کے آئی فون سے نکلنے والی ”دلِ پاکستان کی آواز“ لیزا کو اپنی جانب گھسیٹی۔

یہ ہی وجہ تھی کہ جب اسے ”انسداد پولیو مہم“ کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان بھیجا جانے لگا تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

گھر آکر اختیار بیگ کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو وہ خوش ہو گئے اور اس کے کان کے نزدیک منہ لا کر کچھ سرگوشی بھی کی وہ باپ کی بات پر کھلکھلا اٹھی۔



”ایسا نہ کریں پلیز یہ ظلم ہو گا۔“ طائلہ نے ہراساں ہو کر ماں کی بات سنی اور پھر سب کے بیچ اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے لگی۔ دوسرے کونے پر رکھے صوفے پر بیٹھی ویدا دعا کر رہی تھی کہ جس کالم کا بیڑا اس کے نازک کاندھوں نے اٹھایا ہے۔ وہ خوش اسلوبی سے ادا ہو جائے۔

”میں پوچھتی ہوں۔۔۔ کنواری لڑکیاں بھی کبھی ایسے منہ پھاڑ کر شادی کے معاملات پر بولتی ہیں۔۔۔ ہم بڑے بیٹھے ہیں نا جو بہتر سمجھیں گے وہی کریں گے تم

یہاں سے جاؤ۔“ کارپٹ پر پھسکڑا مار کر بیٹھی ہوئی بلو خالہ نے ہاتھ نیچا نیچا کر اسے خاموش کرایا اور انگلی پر لگا کتھا چائنا۔ ثروت ہراساں ہو کر بیٹی کے تئیں دیکھ رہی تھیں۔

”بابی۔۔۔ پلیز مجھے بات کرنے دیں“ ثروت نے بہن کو التجائیہ انداز میں مزید کچھ کہنی سے روکا، انہیں سامنے بیٹھی ہو کا بھی لحاظ آ رہا تھا۔

”اری۔۔۔ بھنو یہاں میرے منہ پر تالا چالی لگانے سے کیا ہو گا۔ دنیا والے جو دوسری بار منگنی ٹوٹنے پر تمہاری بیٹی کو معتبوب ٹھہرا رہے ہیں۔ اس کا بہترین حل یہ ہی ہے۔“ بلو خالہ کی زبان فرائے بھرنے لگی، روکنا مشکل ہو گیا۔

”چلیں دونوں منگنیاں ٹوٹنے پر ساری خطائیں میرے کھاتے میں لکھ دیں۔ مگر اس کی سزا بھابی کو کیوں دی جا رہی ہے؟“ طائلہ نے زچ ہو کر ماتھے تک ہاتھ لے جا کر جوڑے۔

”بیٹا ہم نے تو ویدا کو ایک بات کہی ہے۔۔۔ اب کوئی زور زبردستی تھوڑی۔۔۔ آگے یہ خود سمجھ دار ہے۔“ ثروت نے متانت سے بیٹی کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”اف۔۔۔ میرے اللہ زور زبردستی اور کیسے کی جاتی ہے؟“ طائلہ نے ماتھا پیٹ لیا۔

”تمہاری ماں صحیح بول رہی ہے“ بلو خالہ نے بھانجی کو لتاڑا، انہیں اس کا ویدا کی حمایت میں لڑنا زہر لگ رہا تھا۔

”مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ بات کس لیے اٹھائی گئی؟ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔۔۔ پلیز اسے پیس دیا دیں۔۔۔ بھابی کے گھر والوں تک پہنچ گئی تو وہ جانے ہمارے خاندان کے بارے میں کیا سوچیں گے“ طائلہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس کی نسوانیت اور وقار پر ضرب پڑی تھی، کیسے نہ بلبلانی۔

”یہ تو ہے اسی لیے تو میں نے ریاض کی شادی کے وقت تمہیں کتنا سمجھایا، خاندان کی لڑکی لے آؤ۔ اپنی ہوگی تو اپنوں کا درد سمجھے گی، مگر تم پر تو بیٹے کی پسند کا نشہ سوار تھا۔ باہر سے سو بیاہ لائیں۔ اب ان کے خاندان

سے ڈرتے پھرو۔ ”بلو خالہ کے پرانے درد جاگ اٹھے، ان کے طنز بھرے جملوں پر ویدانے بے چینی سے پہلو بدلا۔

”خالہ۔۔۔ جانے کب میرا پیچھا چھوڑیں گی“ ویدانے دانت کچکا کر سوچا۔ گھر کا ماحول خراب نہ ہو، اس لیے اکثر وہ خاموشی اختیار کیے رہتی، ورنہ دلائل تو اس کے پاس بھی ہزاروں تھے۔

”طالی۔۔۔ تم پریشان نہ ہو۔ مجھ پر کوئی دباؤ نہیں میں سب کچھ اپنی خوشی سے کروں گی۔ ماما کو فون تو کر دیا ہے۔۔۔ ان فیکٹ انہوں نے اب تک فہام سے بات کر لی ہوگی“ ویدانے دھیرے دھیرے وہ بات بتادی، جو ثروت اور بلقیس کافی دیر سے سننا چاہ رہی تھیں۔

”اوہ۔۔۔ بھابھی۔۔۔ آپ نے اچھا نہیں کیا آنٹی کیا سوچ رہی ہوں گی۔۔۔ کوئی اپنی بیٹی ایسے پلیٹ میں رکھ کر پیش کرتا ہے۔“ طائلہ نے افسوس سے سر ہلایا پھر ماں اور خالہ کی جانب دیکھا۔

”بسو بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ مگر کیا کریں۔ اس پر دو دفعہ بات ختم ہونے کا دھبہ لگ چکا ہے۔ اب تو غیر لوگوں سے رشتہ جوڑتے بھی خوف آنے لگا ہے، تم تو اپنی ہو۔ ہمارا درد جانو گی۔“ ثروت اپنی جگہ سے اٹھ کر ویدانے کے سامنے جا کھڑی ہوئیں اور ہاتھ ملتے ہوئے پشیمانی کا اظہار کیا۔ طائلہ کی آنکھوں سے درد کی لہریں آنسو بن کر بہ نکلیں۔

”امی۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ طائلہ ہم سب کو بہت عزیز ہے ان شاء اللہ اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا۔“ ویدانے بڑھ کر انہیں دلاسا دیا اور اپنے برابر میں بٹھایا۔ وہ ایک دم ڈھمکی سی لگیں۔

”اونہ۔۔۔“ بلو خالہ نے اس کی ہمدردی پر منہ بنا کر ناگواری کا اظہار کیا اور چھالیہ بھاٹی۔

”بس دعا کرو۔ میں اپنی آنکھوں کے سامنے بجی کا گھروں کا دیکھ لوں۔ اس کے بعد ہی سکون سے مر سکوں گی۔“ ثروت بے قراری سے ہلکے آہٹیں۔ ویدانے کی آنکھیں بھی ساتھ ساتھ بھیگ گئیں۔



لیزا، عالمی ادارہ صحت کے لیے دو سال سے کام کر رہی تھی، وہ پاکستان آئی تو اسے ”بچوں کی صحت عامہ کے مسائل“ کے حوالے سے ایک راجیکٹ کی جائزہ ٹیم کا ہیڈ بنا دیا گیا کیوں کہ وہ پہلے ہی ہیلتھ انفارمیشن منیجر کے طور پر کام کر چکی تھی تو اسے یہاں ذرا بھی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مغربی معاشرے کا، عکس اس کی شخصیت سے جھلکتا، وہ خود اعتمادی کی نعمت سے مالا مال، اپنی حدود و قیود کا پاس رکھتے ہوئے شخصی آزادی کی قائل، جلد ہی شہر کے خاص حلقوں میں ممتاز دکھائی دینے لگی، اختیار بیگ اسے فون پر چھیڑتے کہ اسے ایسی پذیرائی شاید لندن میں بھی نہیں ملتی جو اپنے وطن میں نصیب ہوئی تو وہ ہنس دیتی۔

اتنے سرائے والوں کے بیچ میں ہونے کے باوجود بھی اس کی شخصیت کا توازن نہیں بگڑا۔ وہ بڑے بچے تلے قدم اٹھاتی، پہلی ترجیح نیک نیتی سے پاکستانی بچوں کی صحت کے مسائل کا قائل ڈھونڈنا تھا، اسی لیے اس شعبے میں کوتاہی برتنے والوں کو وہ کسی بھی طرح کی رعایت دینے کی روادار نہ ہوئی۔ اس کے بے لچک اصولوں نے ہی میم لیزا کی شہرت کو دوام بخشا۔

فہام مرزا سے اس کی پہلی ملاقات ایک سیمینار میں ہوئی، میم کی سخت گیری کے بارے میں اس نے پہلے ہی بہت کچھ سن رکھا تھا۔ وہ لیزا کے بارے ذہن میں ایک سن رسیدہ کھڑوس بڑھیا کا تصور لیے اس سے ملا تو حیران رہ گیا۔ بلیک ٹراؤزر اور ٹی پنک جیکٹ میں خوشبوؤں میں بسی اپنے سے کئی سال چھوٹی شفاف چہرے والی لڑنے اسے لمحوں میں تسخیر کر لیا، سنہری بالوں کا اونچا بن، اس کی ہنس جیسی مرمیں گردن کے حسن کو اجاگر کر رہا تھا۔ وہ دیکھتا رہ گیا۔

منتظمین نے ان دونوں کا تعارف کرایا، تو چونک کر ہاتھ بڑھایا اور اس کی نرم انگلیوں کا لمس بہت دیر تک اپنے ہاتھ پر محسوس کرتا رہا۔ دونوں میں ہیلو ہائے ہوئی اور وہ کھٹ کھٹ کرتی اسنے لیے مختص سیٹ پر جا کر مقررین کو سننے میں گم ہو گئی اور فہام جیسے اس کی شخصیت کے سحر میں محو ہو گیا۔

دے رہے ہو، کیا وہاں ٹھیک سے کھانا پینا نہیں ملتا تھا؟
ویدانے بغور دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا تو وہ بہن
کی فکر مندی کو ٹالتا ہوا، بھانجوں کو باری باری گود میں
اٹھا کر ان کے بال بگاڑ کر بہار کرنے لگا۔

”ریاض بھائی آپ سنائیں کیا حال ہے؟“ اس نے
بہنوئی سے ہاتھ ملایا تو وہ مسکرا کر سر ہلانے لگے۔

”ارے۔۔۔ آج کل تو تم لوگ طائلہ کی شادی کی
تیار یوں میں بہت بڑی ہو گئے، کون سی ڈیٹ فکس
ہوئی ہے؟“ ادھر ادھر کی باتوں کے دوران فہام نے

بہن اور بہنوئی کو بیک وقت دیکھتے ہوئے مسکرا کر سوال
کیا، مگر ریاض سے اخلاقاً ”بھی مسکرایا نہیں گیا۔ وہ

معذرت کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔
ہنٹے مسکراتے ماحول میں ایک دم جیسے دراڑی پڑ گئی۔

”کیا میں۔۔۔ نے کوئی غلط بات پوچھ لی؟“ فہام بڑبڑایا
”اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک کیا ہو گیا۔

سب خاموش کیوں ہو گئے۔
”وید اسب خیریت تو ہے۔“ وہ بہن کے پاس بیٹھ کر

فکر مندی سے پوچھنے لگا۔
”مما آپ نے بھائی سے ابھی تک بات نہیں کی؟“

ویدانے تھوڑی سی ناراضی سے ماں کو دیکھ کر انسا سوال
کیا۔

”نہیں بیٹا موقع ہی نہیں ملا میں اس سے بات
کرنے کمرے میں گئی، پیچھے سے پڑوسن ملنے آ گئیں۔

بات وہیں کی وہیں رہ گئی۔“ اسری نے ہاتھ ملتے ہوئے
نفی میں سر ہلایا۔ فہام نے پزل ہو کر کبھی ماں اور کبھی

بہن کو دیکھا۔
”کون سی بات۔۔۔؟“ فہام ان بوجھ بھارتوں پر ماتھا

پینے لگا۔
”ہونہ۔۔۔ سنی فمد۔۔۔ اندر جاؤ اور آیا اماں سے

چاکلیٹ ملے، بنا کر پی لو“ ویدانے بھائی کو صبر کرنے کا
اشارہ کیا اور بچوں کو وہاں سے بھگایا۔

”طائلہ کا پھر سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا؟“ فہام کا
ضبط جواب دے گیا تو اس نے خود ہی سوچ کے

گھوڑے دوڑائے اور پوچھا۔
”ہونہ۔۔۔ سنی فمد۔۔۔ اندر جاؤ اور آیا اماں سے

نی بریک میں اتفاق سے دونوں نے ہی صرف بھاپ
اڑاتی کافی کا کپ ہاتھ میں لیا اور ریلیکس ہونے کے
لیے عقبی صوفے پر جا بیٹھے، یہیں ہلکی پھلکی بات چیت
ہوئی، برابر کا جوڑ تھا، لیزا کا دل بھی فہام کی بے پناہ

وجاہت پر کئی بار دھڑکا۔
وہ اس کی توجہ خود پر مبذول پا کر دل ہی دل میں

مسکرائی مگر اپنے جذبات پر قابو پانے میں کبھی مشکل
درپیش نہ آئی۔ اس وقت بھی وہ لا پرواہی، فہام کی

نگاہوں کو نظر انداز کرتی رہی۔
سینار کا اختتام ہوا، مگر دوستی کی نئی بنیاد پڑ گئی،

فاصلے کم ہوئے تو۔۔۔ کئی بار ملاقاتیں ہوئیں۔ لیزا بہت
لیے لیے سے رہنے کے باوجود اس سے بہت دنوں

تک دور نہ جاسکی۔ فہام غیر محسوس انداز میں اس کے
دل کو اپنی گرفت میں لیتا چلا گیا، اس کی ذہانت بھری

باتیں، جادوئی شخصیت، اور بادی آنکھوں کی چمکنے
لیزا کو اپنا اسیر بنائی ڈالا۔

فہام جیسے سر پھرے کو بھی لیزا کی حسن و ذہانت نے
چاروں خانے چت کر دیا، پراثر مغربی لب و لہجہ، دل

آویز چہرہ، سرو قد، پرکشش قامت اور سحر طراز سرمئی
آنکھیں، اس کے ذہن میں بس گئیں۔ لیزا جب بدلی

انداز میں کھڑی کھڑی اردو بولتے ہوئے اس کا نام بگاڑ کر
”فیم“ پکارتی تو وہ ان لمحات کو بہت انجوائے کرتا۔

فہام کے لاشعور میں کہیں یہ برتری بھی مسکاتی کہ
لیزا کے ارد گرد پروانوں کا ڈھیر لگا ہونے کے باوجود وہ اس

کی توجہ حاصل کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہتا۔ اس کی
انا کو عجب سی لذت اور تسکین حاصل ہوتی۔ وہ جانتا

تھا کہ اس کے یہاں طویل قیام کے پیچھے کام کے علاوہ
فہام کی ذات بھی جڑی ہوئی ہے۔



”ویدا۔۔۔ ویدا۔۔۔ کیسی ہو؟ باتوں کی آواز پر فہام
ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ بہن کو سامنے بیٹھا دیکھ کر

کھل اٹھا اسے خود سے لگا کر ہل چوم لیے۔
”میں تو ٹھیک ہوں۔ مگر تم پہلے سے دبلے دکھائی

دے رہے ہو، کیا وہاں ٹھیک سے کھانا پینا نہیں ملتا تھا؟“
ویدانے بغور دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا تو وہ بہن

گڈ مڈ ہونے لگتا تو وہ دل کھول کر اپنے پاگل پنے کو
انجوائے کرتی۔

”نہ۔ اگر کوئی پاکستانی لڑکا اچھا لگے تو اپنے ڈیڈی کو
بے دھڑک بتا دینا۔ میری خواہش ہے کہ تم شادی
کے بعد اپنے وطن میں رہو۔“ اس کے کان میں باپ
کی سرگوشی گونجتی تو جوانوں یہاں آنے سے قبل کی
تھی۔ ایک پیاری سی مسکراہٹ لبوں کے گرد حصار
باندھ لیتی۔

وہ بہت دنوں تک اپنا مزاحمتی خول برقرار نہ رکھ سکی
’وہ چیخ گیا۔ اس نے ایک دن فہام کی محبت کا اقرار کر
لیا۔ وہ دل کشی سے مسکرایا، اس کے جذبوں کو پہچاننے
کے باوجود منوانے کا اپنا مزہ تھا۔

اسے خبر تھی کہ جب وہ لیزا کے ساتھ شہر کے
معززین کی کسی تقریب میں شرکت کرنے جاتا ہے تو
اس کے اپنے حلقہ احباب سے تعلق رکھنے والے
بہت سارے خوبو کنواروں کی لیزا کی جانب پیش قدمی
پر منہ کی کھانے کی وجہ سے، فہام کے لیے دل ہی دل
میں رشک و حسد کے جذبات۔ چھپائے۔ کتنی مشکلوں
کے بعد مسکرا کر ملتے، ایسے موقعوں پر وہ لیزا کے شانہ
بشانہ گردن اکڑائے اندر داخل ہوتا۔

لیزا نے اختیار بیگ سے بھی فہام کا ذکر کر دیا۔ وہ
پاکستان آنے کو بے چین ہو گئے، مگر اس نے ابھی
انتظار کرنے کو کہا۔

دراصل فہام نے اس سے شادی کے بارے میں
کچھ نہیں کہا تھا۔ مغرب سے تعلق ہونے کے باوجود
۔۔۔ وہ خود سے پرپوز کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر
جب سنگاپور جانے سے قبل فہام نے اسے اپنی بہن
سے ملوایا اور شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ خوشی سے
پھولے نہیں سلٹی۔ باپ کو فون کر دیا۔ فہام کی فیملی
سے ان کی ملاقات کا پلان بنانے لگی۔ اختیار بیگ نے
لندن میں سہ ہیانے والوں کے لیے تحائف کی
خریداری شروع کر دی۔ دونوں باپ بیٹی اس بات سے
بے خبر تھے کہ فہام کے گھر میں ایک نئی چھتری پکنا
شروع ہو گئی ہے۔

”ہاں۔ طائلہ کی انجیجمنٹ ایک بار پھر نوٹ گئی
ہے۔“ سری بیگم نے وید کی اتری صورت دیکھ کر خود
ہی بتا دیا۔

”کیا۔ کہہ رہی ہو۔ نہیں۔ یہ سب کیسے ہوا؟
شادی میں کتنے کم دن رہ گئے تھے“ فہام نے سر تھام لیا،
وہ طائلہ سے کئی بار مل چکا تھا، وہ اچھی لڑکی تھی، اسی
لیے افسوس ہونے لگا۔

”طائلہ تو بہت سلجھی ہوئی نرم طبیعت کی ہے،
شکل و صورت بھی کسی سے کم نہیں تھی، ان فیکٹ
اسے سو میں سے اسی نمبر تو دیے جاسکتے تھے، مگر اس
کے ساتھ دو سری بار ہونے والا یہ واقعہ یقیناً ”گھر والوں
اور خود طائلہ کی ذات کے لیے ایک بڑا سانحہ ہو گا“ تب
ہی ریاض بھائی چپ چاپ اٹھ کر چلے گئے“ فہام نے
اظہار افسوس کیا۔

”میں ذرا۔ کچن دیکھ لوں۔“ ماں بیٹی نے ایک
دوسرے کو کچھ اشارے کیے۔ سری رات کے کھانے
کا بندوبست کرنے کچن کی طرف برہہ گئیں تو وید بھائی
کو گھیر کر بیٹھ گئی۔

”ک“ کیا۔ وید اتم ہوش میں تو ہو۔۔۔ سب کچھ
جانتے ہوئے بھی؟“ اس کی بات سن کر فہام کی
آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور دل بند ہونے لگا۔



”باپ رے“ اب اس کو کیا کہوں؟“ فہام نے
اسکرین پر چمکتے نام کو دیکھ کر لائن کاٹ دی، ایک منٹ
بعد ہی وہ سر ملی رنگ ٹون دوبارہ بجی جو اس نے لڑکے
لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ فہمڈی سانس بھر کر سیل
فون آف کیا اور بے دلی سے سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ لیزا
چونک اٹھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ فہام مرزا نے اس
سے بات نہیں کی۔

”کہیں۔ مصروف ہوں گے“ اس نے کلفی پھینٹے
ہوئے خود کو دلاسا دیا، ورنہ دل گھبرانے لگا تھا۔
لیزا کو صرف اپنے کام سے عشق تھا، مگر اب وہ دو
حصوں میں بٹ گئی، ایک کام دو سرافہام، اکثر سب کچھ

عالم کے حکم پر ان کی جانب سے بھیجی گئی کالی شیشوں والی چادر اوڑھ کر باہر نکلنا اب اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ کالی چادر میں اپنے دراز قد کے ساتھ خاصی نمایاں ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے اس بات پر اس کا خوب ریکارڈ بھی لگایا۔ مگر وہ اطمینان سے ہیڈے کا بائٹ منہ میں رکھتی رہی۔

اتفاق سے سفیر عالم بھی اپنے آفس کو لیگ کو ساتھ یہیں پر بیچ کرنے آئے ہوئے تھے۔ منگیتر کو یوں سیلیوں کے ساتھ خوش گہیوں میں مصروف دیکھا تو جل بھن کر رہ گئے۔ غصہ یوں بھی برہا کہ پریشن کے بغیر کیسے پارٹی اریج کر لی گئی۔

”مجھے کیوں نہیں بتایا۔“ رات کو کال کر کے طائلہ کی کلاس لگائی۔

”اچانک... پروگرام بن گیا تھا۔ میں نے سوچا۔ واپسی پر بتا دوں گی“ وہ کوئی بھرے انداز میں ہمیشہ کی طرح صفائی دینے لگی۔

”اچھا اس طرح تو خاموشی سے کسی لڑکے کے ساتھ ڈیٹ پر بھی جاسکتی ہو۔ مجھے کیا پتا چلے گا۔“ اس میں شک کے ناگ لہرائے وہ چیخا اس بات پر طائلہ سے خوب جھگڑا ہوا وہ جو اس شخص کی بیمار ذہنیت سے تنگ آچکی تھی۔ اپنے کردار پر اٹھالی جانے والی انگلی کو برداشت نہ کر سکی۔ جی جان سے اپنا دفاع کیا۔ طائلہ کے چیخنے پر اس نے منگنی توڑنے کی دھمکی دی۔ وہ بھی ایسا کچا بندھن نبھاتے نبھاتے تھک گئی تھی۔ جس کے ٹوٹنے کا خدشہ راتوں کی نیند اڑا دے۔ بلا جھجک اجازت دے دی۔ بس سفیر عالم کی انا کو ایک اور چوٹ پہنچی۔ دوسرے دن ہی سارا سامان واپس آ گیا۔ طائلہ کو تو یقین ہی نہیں آیا۔ کوئی اتنی سی بات پر بھی منگنی توڑ سکتا ہے۔ سب ایک دم سے دھمکی ہو گئے۔ بات بنانے کی کوشش بھی کی مگر سفیر عالم کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھے۔ مجبوراً ”یہ باب بند کر دیا گیا۔“

چند مہینوں بعد دوبارہ کوشش کی گئی۔ ایک رشتہ لگانے والی کے توسط سے۔ ایک اور رشتہ آیا۔ لڑکا آذر علی۔ سفیر عالم کے مقابلے میں کمتر تھا۔ خاندان بھی

طائلہ کی دوسری بار شادی سے پندرہ دن قبل منگنی کا ختم ہونا، ریاض احمد کے گھر والوں پر قیامت ٹوٹنے کے مترادف تھرا۔ وہ سب اس کے مستقبل کی وجہ سے ایک دم متوحش ہو گئے۔ گو کہ۔ طائلہ کا۔۔۔ اس معاملے میں ماشے بھر کا بھی قصور نہ تھا، پھر بھی اس کا وجود مشکوک نگاہوں کے گھیرے میں آ گیا۔

قصہ پہلی منگنی سے شروع ہوا اور دوسری تک جا پھیلا۔ سفیر عالم، ویدا کے پہلے منگیتر کا تعلق اعلا خاندان سے تھا، دونوں کی جوڑی بہت سچ رہی تھی۔ مگر سفیر عالم کی ”میں“ کی عادت اسے رشتے کے خاتمے کی وجہ بنی۔ وہ منگیتر ہوتے ہوئے بھی شوہر کا کردار ادا کرنے کے خواہشمند تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ طائلہ ان کی مرضی کے مطابق سانس لے۔ وہ اپنے دن رات کے معمول سفیر کی مرضی سے طے کرے۔ کہیں جائے تو اسے بتا کر جائے۔ جو رنگ اسے پسند ہوں وہ پہنے۔ جو چیز اسے ناپسند ہو۔ وہ طائلہ کو بھی پسند نہیں ہونی چاہیے۔ ویدا کو تو ہونے والے نندوئی پر بہت غصہ آتا۔ مگر طائلہ جیسی سمجھ دار لڑکی سب کچھ خاموشی سے برداشت کیے جا رہی تھی۔ ریاض احمد اور ثروت کو بھی طائلہ کے سسرال خاص طور پر ہونے والے داماد کا رویہ تشویش میں ڈالے رکھتا، مگر اتنی دھوم دھام سے منگنی کی تقریب ہو چکی تھی۔ اس کے بعد بات ختم کرنے کا سوچنے سے بھی۔ ان کی شرافت پر چوٹ پڑتی۔

بات پھوٹی سی تھی، مگر بہت بڑی بن گئی۔ طائلہ کی کالج فرینڈز نے مل کر اس کے گھر پر دھاوا بولا اور یونہی گاڑی میں بٹھالیا۔ وہ سب منگنی کی ٹیٹ لینے آئے تھے۔ ان سب نے ہذا کھانے کا مطالبہ کیا اور مشہور فاسٹ فوڈ جا پہنچیں۔

یہ پروگرام اتنا اچانک بنا کہ وہ سفیر عالم کو بتا ہی نہیں سکی۔ اس نے سوچا، واپسی پر اطلاع کر دوں گی۔ وہ اپنی فرینڈز کی کمپنی میں بہت خوش ہو رہی تھی۔ سفیر

تھوڑا کم تعلیم یافتہ لگ رہا تھا۔ مگر ثروت پر تو بیٹی کو اپنے گھر کا کر دینے کا بھوت سوار تھا۔ اس پر خاندان والوں کی باتیں۔۔۔

ریاض احمد کو تو یہ لوگ اتنے سمجھ میں نہیں آئے، ویدانے بھی ساس کو سمجھایا، مگر بلو خالہ نے آذر کی حمایت میں بہن کا دماغ خراب کر دیا ثروت نے سب کی مخالفت کے باوجود فوراً حامی بھری اور جلد شادی پر زور دینے لگیں۔ ریاض احمد نے اس بار دھوم دھام سے منگنی کی تقریب کرنے سے منع کر دیا۔ سادگی سے رسم ادا ہو گئی۔ طائلہ نے بھی شادی سے قبل آذر سے کسی قسم کا رابطہ رکھنے سے احتراز برتا۔

ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ شادی سے چند روز قبل اچانک ایک دن آذر کی والدہ سلطانہ بیگم کا فون آ گیا، انہوں نے بڑے روکھے انداز میں وجہ بتائے بغیر شادی سے انکار کر دیا۔ ثروت نے رشتے والی کو بات سنہانے کے لیے ان کے گھر دوڑایا تو پتا چلا کہ آذر سفیر عالم کی ایک کزن صفیہ کے شوہر کا چچا زاد بھائی تھا۔ صفیہ ان کے گھر گئی تو آذر کی ہونے والی بیوی کی تصویر دیکھی۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کیوں کہ وہ خود سفیر کی منگنی میں شریک تھی، اس لیے طائلہ کو پہچان گئی۔ رشتے والی نے اپنا کمیشن کھرا کرنے کے لیے ثروت کے اصرار کے باوجود طائلہ کی پہلی منگنی والی بات آذر کی فیملی سے چھپائی تھی۔ اب یہ سب سن کر سلطانہ کے پیٹ میں درد اٹھا۔ وہ بیٹے کو ساتھ لیے سفیر عالم کے گھر پہنچ گئیں۔ منگنی ختم کرنے کی وجہ پوچھی۔

”اے دیوی کو کون کھٹا کہتا ہے“ ان لوگوں نے طائلہ پر ایسی انگلیاں اٹھائیں۔ کہ سلطانہ۔۔۔ کانوں پر ہاتھ رکھتیں۔۔۔ واپس لوٹیں اور آذر کے منع کرنے کے باوجود رشتے سے انکار کر دیا۔ یوں طائلہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی گناہ گار بن گئی۔



”مما۔۔۔ وید اپاگل تو نہیں ہو گئی ہے۔ ایک ناممکن بات کو کیسے ممکن بنانے چلی ہے“ فہام کو زندگی میں

پہلی بار بہن پر شدید غصہ آیا تو ماں سے شکوہ کر بیٹھا۔ ”بیٹا۔۔۔ تمہاری بہن بڑی امید لے کر آئی ہے، اسے مایوس نہ کرنا“ اسری بیگم نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر بڑی عاجزی سے کہا، ”انہیں بیٹے کی اتری صورت سے زیادہ بیٹی کی غم آنکھوں نے بے قرار کیا ہوا تھا۔“

”مگر۔۔۔ ممّا آپ سب کچھ جانتے ہوئے میرے ساتھ۔۔۔ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟“ فہام نے سر اٹھا کر ماں سے شکوہ کیا۔

”صرف ایک بار سب کچھ بھول جاؤ۔ صرف وید کے بھائی بن کر سوچو۔“ اسری بیگم نے بیٹے سے درخواست کی تو وہ جھرجھری لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

”اوہ آپ بھی میرے ساتھ نہیں۔“ وہ ماں کی جذباتی بلیک میلنگ پر بھنا اٹھا، پر مزید خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

”فہام تم کیوں نہیں سمجھ رہے۔۔۔ وہ بہت الجھن میں ہے“ ماں کی آنکھوں سے بہتے درد اور مجبور یوں نے بیٹے کو دباؤ میں لیا۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ مگر یہ بات تو پہلے ہی کلیئر ہو چکی تھی کہ۔۔۔ میں لیزا سے ہی شادی کروں گا“ وہ بلبلا کر کچھ یاد دلانے لگا۔



”بیٹا۔۔۔ عام حالات ہوتے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ مگر آج کافی کچھ بدل گیا ہے۔۔۔ تم۔۔۔ اچھی طرح سے سوچ لو، کیوں کہ تمہارا جواب وید اور بچوں کی خوشگوار زندگی سے جڑا ہوا ہے“ اسری بیگم نے جاتے جاتے اس پر ایک بھاری بوجھ سا ڈال دیا، وہ دیتا چلا گیا۔



فہام مرزا، شیو برہمائی، ملجگمے حلیمے میں حیران و پریشان پھرتا۔ اسری کا دل بیٹے کی صورت دیکھ کر کھٹکتا۔ مگر انہوں نے خود پر جبر کر لیا۔ حسام مرزا نے شروع میں اس کے لیے خوب فائٹ بھی کی مگر بیوی اور بیٹی کے آگے ہار گئے۔ جیسے تنہا رہ گیا۔

”کیسی کالی گھٹا چھائی ہے کہ شفاف آسمان دیکھنے کو

ترس گیا ہوں۔ اس کا دم گھٹنے لگا، گھٹنے چمکدار بالوں کو بے دردی سے ہاتھوں میں جکڑا اور ٹیس پر نکل گیا۔ لڑکی محبت اس پر نور کی طرح برس رہی تھی، زندگی میں سکون ہی سکون تھا کہ اچانک یہ کیسا گرہن چھا گیا۔ وہ جو ہمیشہ سے خوشیوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کا عادی تھا، سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس پچویشن میں کرے تو کیا کرے۔

فضا میں خنکی اپنا اثر دکھا رہی تھی، مگر فہام ہاف آستین کی لی شرٹ میں سب سے بے نیاز کوٹے میں پڑی کرسی کی پشت سے سر نکائے گرمی سوچ میں گم، سردی گرمی سے بے نیاز بیٹھا رہا۔ اسری اور حسام نے بیٹے کو ایسے تنہا ٹیس پر بیٹھ دیکھا تو اس کی جانب بڑھ گئے۔

وہ اپنی سوچوں میں گم صدم بیٹھا رہا۔ اس نے گھر والوں کو چند مہینوں پہلے ہی لیزا کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور جلد شادی کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا، زندگی میں نئی روانی آگئی تھی۔ اس وقت تو کسی جانب سے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا گیا۔ جوش میں آکر ویدا اور لیزا کی ایک ملاقات بھی کروادی دونوں بہت اچھے طریقے سے ملیں۔ اچانک طائلہ نے آکر سب کچھ چوٹ کر دیا۔ اسے ویدا کی نند سے نفرت سی محسوس ہوئی۔

”بیٹا بیمار پڑ جاؤ گے چلو اندر۔“

”اگر مجھے لیزا سے محبت نہ ہوتی تو طائلہ سے شادی کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔ مگر اب یہ بات ناممکن سی لگتی، مجھے اپنی زبان کا بھی پاس ہے۔“ اس نے ماں کا ہاتھ تھام کر اپنا موقف سامنے رکھا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر اٹھ گئیں۔

”پاپا کوئی تو میرا ساتھ دے۔“ اس نے باپ کی جانب بے چارگی سے دیکھ کر دہائی دی۔ وہ بھی نظریں چراگئے۔ یہاں بیٹی اور والد کا معاملہ تھا ساتھ دینے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھے۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر آنکھیں موند لیں۔

کل تک وہ لیزا کی شکت میں وقت گزارنے کے

خیال سے کتنا آسودہ تھا، مگر اب اس کا سامنا کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوئی، زندگی میں وہ کبھی بھی اتنا مجبور نہیں ہوا، مگر اس وقت ایک ایسے جالے میں پھنستا چلا جا رہا تھا، جس کے تانے بانے اس کے اپنوں کی محبت سے بنے گئے تھے۔



”نہیں۔۔۔ بھابھی مزید کچھ قابل قبول نہیں ہو گا۔“ طائلہ نے ویدا کی بات سنتے ہی انکار کر دیا اور آنسو بہانے بیٹھ گئی۔

”طائی۔۔۔ چندا کیا ہو گیا ہے؟ یہ رونے کی نہیں ہنسنے کی گھڑی ہے۔“ ویدا نے ہتھیلی سے آنسو پونچھتے ہوئے ہسلا یا۔

”کوئی۔۔۔ کیوں نہیں سمجھ رہا۔ میں نے دوبار ایسی خوشیوں بھری گھڑی کو جھپلا ہے، جس کا انجام بڑا بھیانک نکلا۔۔۔ آپ سب سے اب ایک ہی التجا ہے۔ میری زندگی کو مزید ٹھلوانا نہیں بنائیں، میں شادی کے بغیر بھی خوش رہ سکتی ہوں“ طائلہ کے ماضی کا آسیب اس پر حاوی ہونے لگا، اس نے روتے ہوئے سب کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”طائلہ بچی تم اتنی ضدی تو کبھی نہیں تھیں آج حقیقت کا سامنا کیوں نہیں کپا رہیں؟“ ثروت نے بیٹی کو سمجھانا چاہا۔

”امی۔۔۔ ایک زبردستی کا رشتہ۔۔۔ یہ ہے وہ حقیقت؟“ طائلہ نے رنج سے پوچھا۔

”کون سی زبردستی۔۔۔ ہو اپنی مرضی سے یہ سب کر رہی ہیں۔ ایک بات جان لو۔ تمہارے سر سے باپ کا سایہ برسوں قبل اٹھ چکا ہے، میری زندگی کا بھی کچھ بھر دسا نہیں، اتنی بیمار رہنے لگی ہوں، دل کو یہ ہی ہول اٹھتے ہیں کہ کل کو میں نہ رہی تو تمہارا کیا بنے گا۔“ ثروت کا لہجہ غموں سے چور چور ہوا۔

”یہ تو کوئی فلسفہ نہ ہوا، کچھ بتا نہیں کہ آپ سے پہلے میں مرجاؤں“ طائلہ نے ماں کو دیکھ کر کہا تو وہ اس بات پر تڑپ اٹھیں۔

پر نچا اور دوڑ کر بہن کو گلے لگایا۔ ویدانے آگے بڑھ کر سسکیاں بھرتی ہوئی طائفہ کو سنبھالا اسے اپنی پلاتے ہوئے فاتحانہ نگاہوں سے بلو خالہ کو دیکھنے لگی، جو آج کل اس سے دبے لگی تھیں۔ ریاض نے بھی اتنا بڑا معرکہ سر ہونے پر سکون کی سانس بھری اور بیوی کو پیار سے دیکھا۔



لیزا اور فہام، ریسٹورنٹ میں ایک ہی میز پر بیٹھے ہونے کے باوجود الگ الگ محسوس کر رہے تھے۔ فہام نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر بغور اس کے حسین چہرے کو دیکھا جہاں دکھ کے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔

”لڑ تم تو یہ بات سن کر خاموش ہو گئی ہو۔۔۔ کچھ تو کہو۔“ اس نے خود سے خاموشی توڑی۔

”نہیں وہ ایک جھوٹی۔۔۔ لیزا نے اتنا کہہ کر بات ادھوری چھوڑی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”چلو کہنے کو کچھ اور نہیں۔۔۔ تو مجھے برا بھلا ہی کہہ دو۔“ وہ اذیت بھرے انداز میں بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

”مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس پچویشن میں کیا کہوں“ لیزا نے دھیرے سے جواب دیا اور شوز کی ٹو فرش پر ماری۔

”ساری بات۔۔۔ یہ ہی ہے۔۔۔ میری بہن کی خاطر یہ منگنی کرنا ضروری ہو گئی ہے“ وہ مجبوریاں سناتا اسے ایک نہیں بھایا لیزا نے اسے ناراضی سے گھورا۔

”تو کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا؟ اس نے سوالیہ نظروں سے فہام کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا وہ نگاہوں کی زبان سمجھ گیا۔

”نہیں۔۔۔ میں نے کچھ اور سوچا ہے۔“ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جھک کر کہا۔

”ایسا لگتا تھا کہ تمہاری رفاقت میں زندگی آرام سے گزر جائے گی مگر۔۔۔“ وہ نگاہ پھیرتے ہوئے، کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”بھنو۔۔۔ اس لڑکی کے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہو گیا ہے، جب ہی عجیب و غریب باتیں کر رہی ہے“ بلو سے زیادہ دیر بھانجی کے خمرے برداشت نہیں ہوئے تو ہاتھ نچا کر اسے لتاڑا اور گلوری بنا کر گلے میں دبائی، انہیں ہر تھوڑی دیر بعد پان چھالیہ منہ میں دابنے کا رانا چسکا تھا۔

”طائی کچھ تو سوچو۔۔۔ تمہاری بھانجی کتنی اچھی اور مخلص ہے۔ جوان حالات میں بھی۔ اپنے بھائی کا رشتہ لے آئی۔ آج کل کے دور میں کون اس طرح سے سوچتا ہے۔ کم از کم اس کا ہی مان رکھ لو۔ بس تمہاری ہاں کی دیر ہے، وہ لوگ منگنی کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔“ ثروت نے بیٹی کا ہاتھ تھام کر التجا کی، طائفہ کو ماں کی پریشانیوں کا اندازہ تھا مگر وہ اپنے خوف کا کیا کرتی، جو اس کے اندر پنچے گاڑے بیٹھا تھا۔

”اف۔۔۔ تیسری منگنی کوئی میرے جذبات بھی تو سمجھے“ طائفہ سر سے پیر تک تھرا اٹھی۔

”اچھا ٹھیک ہے اس بار منگنی جیسا کچا بندھن نہیں۔ ڈائریکٹ نکاح کی ڈیٹ طے کر لیتے ہیں، رخصتی سال بھر بعد ہو جائے گی۔ جب تک اوپر والا فلور بھی تیار ہو جائے گا۔ جہاں فہام کی دلہن رہے گی۔ بولو اب تو خوش ہو“ ویدا جو خاموشی سے ماں بیٹی کے مکالمے سن رہی تھی۔ ایک دم فیصلہ کن انداز میں بولی تو ثروت کے چہرے پر خوشیوں کا عکس جگمگا اٹھا۔

”بھابھی۔۔۔ مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔“ طائفہ نے چڑ کر جواب دیا۔

”بیٹا فہام بہت اچھا لڑکا ہے، مجھے پوری امید ہے کہ اس بار قسمت تمہیں مایوس نہیں کرے گی، اپنے بھائی بھابھی کا مان رکھ لو، بس ہاں کر دو۔“ ریاض احمد جو تھوڑی دیر قبل کمرے میں آئے تھے، ساری بات سننے کے بعد بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے التجا کی۔

”اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے جیسی آپ سب کی مرضی“ باپ جیسے بھائی کا گڑ گڑانا، مار گیا، طائفہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی سر جھکا دیا۔ یوں لگا کہ اس فیصلے کے بعد وجود کئی ٹکڑوں میں بٹنے لگا ہو۔

”واہ بھنو، مبارک ہو۔“ بلو خالہ نے سرو تپا پاندان

”چلو تم دونوں تھوڑی سی بات چیت کر لو میں جب تک باہر کھڑی ہوں۔“ فہام کی نہ نہ کو خاطر میں لائے بغیر ویدا، ہنسی مسکراتی بھائی کو گھسیٹتی اس کمرے کی طرف لے آئی، جہاں نکاح کی تقریب ختم ہونے کے بعد دلہن بنی طائلہ کو بٹھا دیا گیا۔

”آج میری زندگی کا خوشگوار ترین دن ہے۔“ ویدا نے دونوں کو ساتھ کھڑا کر کے نوٹ وارے، مسرت اس کے انگ انگ سے پھونتی پڑ رہی تھی۔

”میری نند کو زیادہ تنگ نہیں کرنا۔“ وہ دروازے کی جانب بدھتے ہوئے شرارت سے بولی۔

”اف۔۔۔۔۔“ بہن کے بے محل مذاق پر فہام نے غصے میں گھور اتو وہ فوراً ”باہر نکل گئی۔“

کیسی دل جکڑ لینے والی رات تھی، لگتا تھا سب کچھ ختم سا گیا ہے، طائلہ اس کی منکوحہ کے روپ میں بیٹھی، اسے متوجہ کرنے میں ناکام رہی، فہام کے دل کی دھڑکن تو لیزا کے نام کی مالا جپنے میں مگن تھی، اسے اپنی بہن ویدا پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا، جس نے منگنی کا جھانسا دے کر اپنی نند سے شرعی رشتہ جوڑنے پر مجبور کر دیا، تقریب والے دن شہروانی پیش کرتے ہوئے نکاح کی خبر دی۔ وہ تو اکڑ گیا، مگر ماں بہن کے آنسوؤں نے مجبور کر دیا۔ کچھ گھنٹوں قبل سادگی سے نکاح کی تقریب انجام پائی اور اس کے لیزا سے محبت کے دعوے۔ ریت کے محل کی طرح بھر بھرا کر زمین بوس ہو گئے۔

فہام کی عاصب دماغی نے طائلہ کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔

”میں۔۔۔ ہی ساری فساد کی جڑ ہوں“ طائلہ کو اس کی خاموشی سے وحشت محسوس ہوئی خود پر غصہ آیا۔

”یہ کیا ہوا؟“ فہام نے چونک کر پوچھا۔ ایک دم اندھیرا چھا گیا، لائٹ جو چلی گئی، اس نے فوراً ”جیب سے اینالا سٹر نکال کر جلا لیا۔“ دھیمی لودیتی روشنی کا عکس طائلہ کے دوشے پر گئے، گھٹکرو سے منعکس ہو کر جھلملا اٹھا، فہام نے نگاہ بھر کر دیکھا، اچانک لیزا دلہن بنی بیٹھی دکھائی دی۔ وہ ایک لمحہ کو مبہوت سا اسے تنکرا رہ گیا۔

”ڈیر ایسا ہی ہو گا۔“ وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہونے لگا، محبت کے سارے دعوے جو دھڑک رہے تھے۔

”اوکے۔ تم نے کیا کچھ اور سوچا ہے۔۔۔“ اس نے شانے اچکا کر بے نیازی ظاہر کی۔

”اچھا۔ ایک بات غور سے سنو۔ اس معاملے میں مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ بس میرا اعتبار کرنا۔۔۔ یہ مشکل گھڑی بھی گزر جائے گی“ وہ ماتھے پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔

”کون سا ٹرسٹ؟ اگر آپ کی نیت صاف ہوتی تو آج یہ نوٹ ہی نہ آتی۔“ وہ ہونٹ چبا کر بولی پھر ناراض ناراض سی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ فہام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھایا۔

”نہ۔۔۔ میری نیت پر شک نہ کرو سوچو اگر میں تم سے جدا ہونا چاہتا تو کیا مشکل تھا؟ ایک فون پر سب بتا کر جان چھڑا لیتا۔ ایک گھنٹے سے بیٹھا تمہاری منتیں نہیں کر رہا ہوتا۔“ وہ بھی جھنجھلا کر بولا۔ لیزا تھوڑی ٹھنڈی پڑی۔

”اوکے۔۔۔ بولیں کیا کہنا چاہتے ہیں“ وہ کھوئے کھوئے انداز میں پوچھنے لگی۔ فہام کسی اور کا ہونے چلا تھا۔ بات دل دکھائے جا رہی تھی۔

”دیکھو فی الحال میں انکمیج منٹ کر لیتا ہوں مگر اس کے بعد۔۔۔“ وہ دھیرے دھیرے بولنے لگا اور لیزا بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتی رہی۔



گلابی دوپٹے کے ہالے میں، دلکش نقوش سے مرصع مندی چوہ، حیا کی دھیمی سرخی کی لو سے دمک اٹھا، حنائی انگلیوں کی مہک، کالی، بھنورا سی خوب صورت آنکھیں، جن پر گھنی پلکوں نے سایہ کیا ہوا تھا، مہارت سے بنایا گیا، گھنے سیاہ بالوں کا سوکس رفل اور اس پر لگائے گئے پھولوں کی مہک، گویا فہام مرزا کو بس میں کرنے کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مگر وہ تو پہلے ہی کسی اور کے بس میں تھا۔

سرشاری سے قدم بڑھائے تو طائلہ شراگئی۔ اچانک لائٹ آجانے سے کمرے میں روشنی پھیل گئی اور وہ رومانوی ماحول کے فسوں سے آزاد ہوا۔ لیزا کا عکس غائب ہو چکا تھا۔ وہ تیزی سے مڑا اور دروازہ دھکیلتا ہوا باہر نکل گیا۔

ایسی بے اعتنائی پر طائلہ منہ پر ہاتھ رکھے فتنی رہ گئی، وید ابھائی کے بگٹ بھاگنے پر اندر داخل ہوئی، منہ کے چہرے پر پھیلے تاثرات نے اسے ایک نئی فکر میں مبتلا کر دیا۔



فہام نے گلاب کا موٹا سا ہار توڑ مروڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا۔ شہروانی کے بٹن کھولے، اسے بے دردی سے اتار کر بیٹنگ کیا، آرام دہ کرتاپا سچا مہ پہنا، سلیم شاہی جوتے کو پاؤں سے نکال کر دور پھینکا۔ آرام دہ سلیم پہنے اور خود پر قابو پاتے ہوئے ماں کے کمرے کی جانب بڑھا۔ اسری نے اپنے پیچھے آہٹ محسوس کی تو مڑ کر دیکھا، بیٹے کی سنجیدہ صورت دیکھ کر اندر سے گھبراہٹ میں وہ اس لمحے سے بچنے کی کتنی دعائیں مانگ رہی تھیں، مگر سب رائگاں گئیں۔

”مما۔ آپ اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ میری زندگی میں لیزا کے سوا کسی دوسری لڑکی کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر بھی آپ نے اور ویدا نے مل کر میرے ساتھ ایسا کھیل کھیلایا؟“ فہام آنکھوں میں دنیا بھر کے شکوے بھرے مقابل کھڑا سوال جواب کر رہا تھا۔

”مجھے جواب دیں۔“ اس کا ضدی پن عروج پر تھا اسری اندر سے بے چین ہوتے ہوئے بھی بظاہر پرسکون بیٹھی رہیں۔

”بیٹا۔ میں بہت مجبور ہو گئی تھی۔ طائلہ کی زندگی خراب ہونے جا رہی تھی“ انہوں نے سر اٹھا کر اپنے لمبے چوڑے خوبو بیٹے کو دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کر صفائی پیش کی۔

”طائلہ سے اتنی انسیت کہ آپ نے اپنے بیٹے کی زندگی کی ہر خوشی چھین لی“ وہ اپنے لہجے کی سختی کو چھپا

نہیں سکا۔

”بیٹا مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جانتی ہوں کہ میرا بیٹا کتنا مضبوط ہے۔ مگر تمہاری بہن ویدا بہت چھوٹے اور کمزور کی مالک ہے۔ وہ اپنے سسرال میں جاری پنچس زیادہ دنوں تک سہار نہیں پاتی۔ ہم نے بہت سوچنے کے بعد یہ قدم اٹھایا۔“ اسری بانو نے اپنا موقف بیان کیا، مگر وہ اس بات پر قائل نہ ہو سکا۔

”میں اس بات کو نہیں مانتا یہ کوئی جہالت کا دور نہیں کہ بہو کو سسرال میں مجبوریوں کا سامنا ہو۔ ویدا ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ اپنے حقوق کے لیے لڑ سکتی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ۔ ریاض بھائی بہت اچھے آدمی ہیں۔ وہ اس معاملے میں بیوی کا ساتھ دیتے۔ کم از کم مجھے تو یوں قربانی کا بکرا نہیں بنایا جاتا“ وہ درستی سے بولتا چلا گیا۔

”زمانہ بدل گیا ہے۔ مگر بعض معاملات میں انسان کی سوچ ایک ہی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے، خاص طور پر جہاں خونی رشتوں کے مفاد کا معاملہ ہو“ اسری نے بیٹے کو دبے لفظوں میں سمجھانا چاہا، کھل کر کیسے بتائیں۔

”شاید آپ لوگوں کو مجھ سے محبت ہی نہیں۔“ وہ بچوں کی طرح مچلا۔

”نہیں جان مگر میں کیا کرتی۔ بیوی پر جاں نثار کرنے والے ریاض احمد نے شادی کے اتنے سالوں بعد بھی بیوی کو دبے لفظوں میں گھر بھجوانے کی دھمکی دی تھی۔“ اسری نے راز پر سے پردہ اٹھایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

”کیا۔۔۔ میں ریاض بھائی سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔ یہ تو میری بہن کے ساتھ زیادتی ہے۔“ وہ ایک دم بھراٹھا۔

”فہام اس بات کو یہیں دبا رہے دو۔ کبھی بھولے سے بھی منہ سے نہیں نکالنا۔ ویدا نے تو مجھے سختی سے تمہیں بتانے کو منع کیا تھا اس طوفان پر بڑی مشکل سے بند بندھا ہے۔ تمہارا جذباتی پن پورے خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔“ اسری نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر

البتجائی۔

”ٹھیک ہے میں اس بارے میں کسی سے بات نہیں کروں گا مگر ایک بات بتا دوں۔ اب وہ لڑکی میری زندگی میں آگئی ہے۔ مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں یاد رکھئے گا مجھے لیزا سے شادی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا“ فہام کی انا کو چوٹ پہنچی۔ وہ ہاتھ پر مکا مارتا ہوا بولا۔

”طائفہ کا ذکر اس طرح سے نہ کرو۔ ان سب باتوں میں اس کا کیا قصور۔ وہ بہت پیاری بچی ہے اور اب نہ صرف اس گھر کی بہو بلکہ تمہاری بیوی بھی ہے۔“ اسری بانو کے ماتھے کی سلوٹ ابھری یہ یاد دہانی ضروری ہو گئی۔

”وہ اس گھر کی بہو تو اس وقت بنے گی۔ جب میں رخصتی کراؤں گا ایک مرضی ریاض بھائی نے کر لی۔ ایک مجھے کرنے دیں۔“ فہام نے ماں کی طرف دیکھے بنا بات مکمل کی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسری بیگم کو یوں لگا جیسے پورے بدن کا خون چڑ گیا ہو۔

سبزے کی باس ماحول میں بسی ہوئی تھی، پورے ایک ہفتے بعد وہ اپنے پسندیدہ اسپورٹس کلب کے سبزہ زار میں کافی پیئے آئے تھے۔ زیتونی رنگ کا اونچا کرتا، بلیک جینز، سانچے میں ڈھلے جسم پر بہت بیچ رہی تھی، سنہری بالوں کی اوچی پونی ٹیل میں سے نکلتی ہوئی لٹیں، دودھیا وجود اور اس سے چھلکتی نزاکت، مومی نازک سی ایک دوسرے میں پیوستہ انگلیاں، کپکپاتے گلابی لب، جنہیں اس نے کبھی بھی لب اسٹک سے رنگ کر بے رنگ نہ کیا۔ اس کا رواں رواں، بے چین ہواٹھا، گھنی پلکیں اٹھا کر اپنے محبوب کو دیکھا، جس کا سر پہلی بار جھکا ہوا محسوس ہوا۔

”فیم آپ نے تو کہا تھا کہ اس لڑکی کو جسٹ انکج کریں گے اور سال دو سال بعد کوئی اچھا لڑکا ڈھونڈ کر اس کی شادی کروادیں گے“ لیزا نے بڑے سکون سے اس کا منصوبہ یاد دلایا، وہ جس سیٹ پر تھی،

اکثر ناموافق حالات میں اپنے غصے پر قابو پانا نہ جاتا، وہ ہی ٹریننگ اس وقت کام آئی، ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ جاہل عورتوں کی طرح بین کرتے ہوئے اس کی اور اپنی جان ایک کر دے۔

”ہاں کہا تو تھا۔ مگر۔“ وہ صفائی دیتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گیا، گہری آنکھوں سے نکلتا اور دھواں بن کر آس پاس پھیلنے لگا۔

”سو۔ فیم آپ کے پاس کوئی سولڈ ریزن نہیں؟“ لیزا نے اپنے مخصوص انداز میں، بھنویں اچکا کر دیکھا، ان دونوں نے ایک ساتھ کپ اٹھایا اور جھجک دار کانی کاسپ لیا۔

”سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں مجبور ہو گیا۔“ فہام اپنے تاثرات چھپا سکتا تھا، پر لیزا کی عدالت میں کوئی بہانہ بنائے بغیر سچائی سے پورا واقعہ سنا دیا۔ پھر اس کی جانب دیکھا، کپ سے اٹھتی بھاپ، ماحول کی سحر انگیزی میں اضافہ کر رہی تھی۔

”مرد۔۔۔ کبھی مجبور نہیں ہوتا۔ خیر میری کل پاپا سے بات ہوئی تھی۔ انہیں یہ سب سننے کے بعد مجھے فوراً واپس آنے کا کہا ہے۔ ان کے پاس میرے لیے وہاں دو تین اچھے پر پوزل ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ میں بھی اپنی شادی کو لے کر سنجیدہ ہو جاؤں“ لیزا نے بڑے اطمینان دہ ہی چوٹ پہنچائی، جو پچھلے کئی دنیوں سے وہ اپنے دل میں چھپائے نارمل بی ہو کر رہی تھی، اس کی توقع کے مطابق وہ ایک دم بھراٹھا۔

”لڑکی۔۔۔ اگر تم نے کسی اور کا ہونے کے بارے میں سوچا بھی تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔“ فہام اٹھ کر اس کے بہت نزدیک آگیا اور بالوں کی سنہری لٹ کھینچ کر غصہ میں بولا۔

”ویری ٹائس۔۔۔ آپ خود کسی اور کے ہو گئے۔ اور مجھے پابند بننا ہے ہیں سوچا ہے کہ میرے دل پر کیا گزرتی ہوگی“ وہ دھیرے سے شکوہ کر بیٹھی، فوراً ہی اپنے ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر رکھ کر پیچھے دھکیلا اور منہ موڑ کر اپنی لرزش پر قابو پانے لگی۔

”وہ لڑکی میری زندگی میں داخل ضرور ہوئی ہے، مگر

جب سے بی کا نکاح ہوا تھا، ان کی بیماری اڑن چھو ہو گئی، ابھی بھی وہ چنے کا حلو بنانے کی تیاری میں تھی تھیں۔

”دراصل کچھ دیر پہلے ماما کا فون آیا تھا، بیبا کی طبیعت کچھ خراب ہے، بچوں کے پیپر زہور ہے جس ورنہ میں جا کر رک جاتی۔ اب وہاں کسی ذمہ دار کی ضرورت ہے۔“ ویدا نے تفصیل بتائی۔

”نہیں۔ بیبا“ رخصتی سے پہلے یہ بات کچھ مناسب نہیں لگتی۔ دنیا کیا کہے گی“ ثروت نے چنے کی وال کا تھال ایک طرف رکھا اور بہو کو جھجکتے ہوئے انکار کر دیا۔

”میں بھی ان نزاکتوں کو سمجھتی ہوں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ، آیا اماں ایک ہفتے کی چھٹی لے کر اپنے گاؤں چلی گئی ہیں، ماما بیبا کی تیمارداری کریں، ان کے لیے پرہیزی کھانے بنائیں یا گھر کے دوسرے کام دیکھیں۔ ایسے وقت میں طائفہ کا وہاں ہونا، اس کی اہمیت کو گھر والوں خاص کر بھائی کی نگاہ میں اجاگر کرے گی۔ باقی دنیا کی تو رہنے دیں۔۔۔ وہ تو کسی حال میں خوش نہیں رہتی، ہمیں تو بس اپنوں کی خوشیوں کی فکر ہونی چاہیے“ ویدا کا معنی خیز انداز انہیں بہت کچھ سمجھا گیا۔ چھر بھی ثروت سوچ میں پڑ گئیں۔

”اگر تم لوگ اتنے ہی پریشان ہو تو، طائی کی رخصتی کے لیے اتنا وقت کیوں مانگا، ہماری تو پوری تیاری ہے، ہفتے بھر میں رخصت کر کر لے جاؤ۔ تمہارے سارے مسئلے یوں حل ہو جائیں گے“ بلو خالہ جو دروازے کے باہر سے کن سونیاں لے رہی تھیں، ایک دم کمرے میں داخل ہو میں اور چٹکی بجا کر بولیں۔

”بابی۔۔۔ جو بات طے ہو چکی ہے، اسے نہ چھیڑیں۔۔۔ ویسے بھی بہو کے گھر والوں نے کچھ سوچ کر ہی ایک سال کا وقت مانگا ہو گا“ ثروت اب اکثر ویدا کی طرف داری میں بہن کو ٹوک دیتیں، اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ بلقیس منہ بگاڑ کر کونے میں جا کر بیٹھ گئیں۔

”طائفہ کو پتا چلا تو ایک ہنگامہ مچا دے گی“ ثروت نے نیم رضامندی ظاہر کرتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

تمہارے مقام تک پہنچنا، اس کے بس کی بات نہیں۔۔۔ تھوڑا سا وقت اور دے دو تو میں اس مسئلے کا کوئی ایسا حل ڈھونڈ نکالوں جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔“ فہام نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

”میں۔۔۔ صرف تمہارا ہوں۔۔۔“ وہ آنکھوں میں چاہت کے دیے جلا کر اسے اپنے ہونے کا یقین دلانے لگا۔

”اب کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسا کرو کہ۔۔۔ تم مجھے چھوڑ دو“ لیزا نے اسے آزمایا۔ وہ دو دن سے سوئی نہیں تھی، فہام کے نکاح کی خبر نے اس کی نیندیں اڑا دیں، اس کے باوجود نیند کی دوا لینے کے بجائے، ایسی یقین دہانیاں چاہتی تھی۔

”سنو۔۔۔ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔۔۔ میں تمہیں چھوڑ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔۔۔ ایک کام کرتے ہیں۔ نکاح ہی ہوا ہے۔۔۔ رخصتی تو نہیں۔۔۔ اب بھی کوئی اچھا لڑکا مل جائے تو۔۔۔“ فہام نے اسے تسلی دیتے ہوئے بے سوچے سمجھے ایک بات کہی۔ لیزا کے چہرے کا رنگ کم ہونے لگا۔

”تم سچ کہہ رہے ہو نا۔“ وہ بر سکون ہو کر اس کے چہرے پر اپنی چاہت تلاش کرنے لگی۔

”بالکل سچ۔۔۔ میں تمہیں خود سے الگ ہونے نہیں دوں گا“ فہام نے اس کا ہاتھ تھام کر زور سے دبایا، لیزا کے وجود پر افشاں بکھرنے لگی۔



”اچھا۔۔۔ ماما آپ پریشان نہ ہو میں کل چکر لگاتی ہوں“ ویدا نے ماں کی ساری بات سننے کے بعد گھبرا کر لائن کاٹ دی اور کچھ سوچ کر ساس کے کمرے کی جانب بڑھی۔

”امی۔۔۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں طائفہ کو ایک دو دن کے لیے ماما کے پاس چھوڑ آؤں۔“ وہ بیڈ پر ان کے برابر بیٹھ کر بولی۔

”بہو یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟“ ثروت اس کی انوکھی بات پر چونک اٹھیں۔

”اس کی فکر نہ کریں۔ میں معاملہ سنبھال لوں گی۔ اب تو رات ہو چکی ہے۔ ہم لوگ کل وہاں جائیں گے“ ویدا نے اجازت ملتے ہی جوش سے کہا۔ اب اسے شوہر کی اس بات کے لیے منانا تھا۔

”میں طائلہ کو ایک دو دن کے لیے ماما کے گھر رہنے کے لیے بھیج رہی ہوں“ ساس راضی ہو گئیں تو رات کو سونے سے قبل میاں جی کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا اور وہ اکر گئے۔

”کیا طائلہ ابھی سے جا کر سسرال میں رہے گی۔ بالکل نہیں“ ریاض نے صاف انکار کر دیا۔

ویدا ابھی کمر کس کے میدان میں کود پڑی۔ باپ کی بیماری، ماں کی تنہائی، بھائی کی مصروفیت اور اپنی مجبوریوں کو ایسا دردناک نقشہ کھینچا کہ ریاض کو مانتے ہی بنی۔



”چلو، جلدی سے یہ سوٹ پہن کر تیار ہو جاؤ۔“ ویدا نے طائلہ کی وارڈ روب میں سے ایک اسٹائنلش سوٹ نکال کر اسے واش روم کی طرف دھکیلا۔ وہ بچوں کے اسکول سے واپس آتے ہی میکے جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

”خیریت تو ہے۔ کہاں جانا ہے؟“ طائلہ ان سب باتوں سے بے خبر۔ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

”پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہم انہیں دیکھنے جا رہے ہیں“ ویدا نے اس کے کپڑوں میں سرگھسا کر جواب دیا۔

”وہ۔۔۔ بھابھی۔۔۔ کیا میرا وہاں جانا مناسب ہو گا۔“ سسرال جانے کے نام پر اس کا دل دھڑکا، جھجک اڑے آئی تو نگاہیں جھکا کر پوچھا۔

”لڑکی تم پر بھی سر کی مزاج پر سی فرض ہے کہ نہیں؟“ ویدا نے شوخی سے کہا تو وہ شرما کر واش روم میں گھس گئی۔

”اچھا۔۔۔ ہم جا رہے ہیں۔“ وہ سب دس منٹ میں باہر نکل گئے، ویدا نے ساس کے کمرے میں جھانکی،

کر اطلاع دی۔

”بلو۔۔۔ میں تو کہتی ہوں اللہ سب کو ایسی اچھی بہو سے نوازے“ ثروت کی تعریف ویدا کے کانوں تک بھی جا پہنچی، وہ خوش ہو گئی مگر بلیقیں نے جھنجھلا کر باندان کا ڈھکن زور سے بند کیا اور کھر کھر پان چبانے لگیں، انہیں اپنی باجی کے بدلتے چھن ایک آنکھ نہیں بھار ہے تھ۔

”شکر ہے اس حکمت عملی نے سسرال میں میرے پاؤں مضبوط کر دیے۔“ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ویدا کے اندر تک سکون اترتا چلا گیا، جب سے یہ رشتہ جڑا تھا، ساس اس کا پہلے سے کہیں زیادہ خیال رکھنے لگی تھیں، بات و نہ سٹہ کی جو ہو گئی، دونوں طرف کا پلڑا برابر ہو چکا تھا، وہ اب طائلہ کی بھابھی ہی نہیں نند بھی تھی۔

”زندگی پہلے کے مقابلے میں کتنی خوشگوار ہو گئی ہے۔ بس بھائی کی ناراضی دور ہو جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔“ ویدا مسکرا کر بچوں کو دیکھنے لگی جو اپنی پھوپھو کم ممانی سے باتوں میں مگن تھے۔



”لڑ۔۔۔ مجھے یہ بتاؤ کہ آج کل۔۔۔ تم اتنی عجیب اتنی نہ سمجھ میں آنے والی باتیں کیوں کر رہی ہو؟“ فہام نے سیل فون کو کان کے نزدیک کر کے پوچھا۔

”پتا نہیں۔۔۔ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے تمہاری محبت میرا جنون بنتی جا رہی ہے اور تمہاری بیوی کے لیے میرے دل میں رشک و حسد کے جذبات پروان چڑھ رہے ہیں“ اس نے شرمندگی سے اعتراف کیا۔

”تم۔۔۔ بالکل یہاں جیسی لڑکیوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہو۔۔۔ جو تم سوچ رہی ہو وہ غلط ہے۔“ وہ ایک دم سر تھام کر رہ گیا۔

”میں جانتی ہوں۔۔۔ اس ناٹ فینو۔۔۔ بیٹ میں خود کو نہیں سمجھ پا رہی ہوں“ لیزا کی بے چارگی اس پر واضح ہونے لگی۔

”میری۔۔۔ ایک بات کانوں سے نہیں دل سے سنو۔۔۔“ اس نے نرم لہجہ اپنایا۔

”او کے... بولو۔“ لیزا نے اپنی مخروطی انگلیوں میں سیل فون بھینچ لیا۔

”میرے دل میں تمہاری جو جگہ ہے وہاں تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا، تم میرے دل کے تخت سے کس طرح اتر سکتی ہو، محسوس کرو تو آج بھی اسی شان، رعب اور دب دے کے ساتھ ایک ملکہ کی طرح خود کو براجمان پاؤ گی“ وہ اس کی کیفیت سمجھ چکا تھا۔ اس لیے بڑے انداز سے دل جوئی کرنے لگا۔

”فیم میں تو اب خود کو ایک معزول ملکہ کی طرح محسوس کرتی ہوں، جو اپنے مقام سے نیچے آگئی ہو“ وہ منتشر ذہن سے حال دل کھولتی چلی گئی۔ اس کے لہجہ کی نوٹ پھوٹ محسوس کی جانے والی تھی۔

”ڈیر۔ میں ساری پریشانیوں کو سمجھتا ہوں۔ مگر تمہیں یوں بے حوصلہ دیکھنا میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔“ اس کا اپنا لہجہ بھی دیکھ کی نفیس بن گیا۔

”میں۔۔۔ بہت با حوصلہ تھی۔ ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال میں آیا تھا کہ کبھی اس قدر مجبور ہو جاؤں گی۔“ وہ رو دینے کو ہوئی۔

”پلیز ایسے تو نہ کرو۔“ فہام احساس جرم میں مبتلا ہو کر بے چینی محسوس کرنے لگا۔

”تو۔۔۔ پھر کیا کروں آج کل بری طرح ڈسٹرب ہوں“ لیزا نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

”میری جان، یہ احساس ہی میری روح کو کاٹتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری دکھ کی وجہ بن گیا ہوں۔

بس مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو پھر جو مناسب سمجھو گی، وہ ہی ہو گا۔ میں اپنے لیے بھی انہی باتوں کو ضروری سمجھوں گا۔ جو تمہیں پسند ہوں گی“ فہام

نے جذبات سے معمور لہجے میں اسے اپنی وفاؤں کا یقین دلانا چاہا۔

”تم سچ کہہ رہے ہو؟“ لیزا کے لہجے کی بے یقینی، اس کے دل پر بھاری پڑی۔

”پلیز اب تم صرف ان لمحوں کو سوچو، ان کا ہی تصور کرو جو ہماری زندگیوں کو ایک دوسرے سے

جوڑے ہوئے ہیں۔۔۔ پچھڑنے کی باتوں کو بھول جاؤ“ وہ

زبردستی مسکرا کر بولا، لیزا نے کوئی جواب دے بے بنالائے کٹ دی۔ فہام بہت دیر تک بستر پر چت لیٹ کر زندگی کے اس موڑ کے بارے میں سوچنے لگا۔ جس میں دو راستے اس کے سامنے تھے ایک راہ کا تعین وہ کر چکا تھا پھر بھی دوسرے راستے سے ہٹتے ہوئے الجھ رہا تھا۔



فہام۔۔۔ آفس کے تکان زدہ امور نمٹا کر گھر لوٹا، تو خلاف معمول کچھ چہل پھل سی محسوس ہوئی۔ فریش ہو کر بڑے ہال میں داخل ہوا تو ٹام اور جیری کا ماسک پہنے اس کے بھانجے دوڑے چلے آئے۔

”ماما۔۔۔ آگئے۔“ دونوں نے نعرہ لگایا اور آکر پلٹ گئے۔ اس نے دونوں کو ایک ساتھ بانہوں میں بھر لیا۔

”بھائی۔۔۔ شاباش ہے تم پر۔“ ویدا نے کمرے میں گھستے ہی اس سے لڑنا شروع کر دیا۔

”کیوں مجھ سے کیا خطا ہو گئی۔“ اس نے اکھڑ لہجے میں جلتی نگاہ۔ سن پر ڈالی تو وہ لمحہ بھر کو گڑبڑائی۔

”پاپا کی طبیعت کل سے خراب ہے اور تم نے ایک فون کر کے خبر بھی نہ دی۔“ ویدا نے غصے میں کہا۔

”پاپا کی طبیعت خراب۔ کیا ہوا؟“ وہ گھبرا اٹھا، بھانجوں کو نیچے اتارا اور تیزی سے باپ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

”آپ کل سے بیمار ہیں۔ مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں۔“ فہام نے باپ کے برابر میں بیٹھ کر الٹا شکوہ کیا۔

”بیٹا ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس موسم کا اثر ہے، فلو ہو گیا ہے۔ مگر اپنی ماما کو جانتے ہونا ہر بات پر ہول اٹھنا، ان کی پرانی عادت ہے۔ بس فوراً فون

کر کے ویدا کو بلوا لیا۔“ بستر پر دراز حسام مرزا نے مسکرا کر اپنے خوبو بیٹے کو دیکھا۔ جس کے ساتھ ناچاہتے ہوئے جی بھی وہ لوگ زیادتی کر بیٹھے تھے۔

”مجھے کال کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا“ فہام نے بڑبڑاتے ہوئے شکایتی نگاہوں سے ماں کو دیکھا، جو

چہرے سے ہی ناراض دکھائی دیں۔

”تمہارے پاس گھر والوں کے لیے وقت ہی کہاں ہوتا ہے؟“ ماں نے بھی شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹے کو جواب دیا۔

”اف یہاں کے حالات تو بہت خراب چل رہے ہیں“ ویدا نے ماں بیٹے کے بیچ جاری سڑجنگ محسوس کی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

فہام آج کل بہت چیز ہار رہا تھا۔ صبح بھی وہ گھر سے ناشتا کیے بغیر نکل گیا، کئی دنوں سے لیزا اتنی مصروف رہنے لگی کہ دونوں کا رابطہ صرف فون تک ہی محدود ہو گیا، پھر وہ اچانک لندن جانے کی ضد لگا بیٹھی۔ فہام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکے، اس پر ماما کی ہر وقت کی طائفہ کی تعریفیں اور نصیحتیں۔ دل جل کر کباب بن گیا۔ اس نے گھر میں ٹکنا کم کر دیا۔



”ماما میں اب جا رہی ہوں۔ اگر ان دونوں کے ایگزیزمز نہیں چل رہے ہوتے تو دو چار دن رک جاتی۔“ ویدا نے کھانے کے بعد جانے کی اجازت طلب کی۔

”کوئی بات نہیں بیٹا۔ جیسے تیسے سنبھال ہی لوں گی“ اسری نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اداسی سے کہا۔

”مائی ڈیر ماماںی الحال آپ کے مسئلے کا کوئی حل یہ ہی ہے کہ طائفہ ایک ہفتے یہاں رک کر پاپا کی دیکھ بھال کرے۔ کچن کے کاموں میں تو یہ ویسے ہی ایکسپٹ ہے زلیخا آیا کا بے وقت جانے کا دکھ کچھ تو کم ہو جائے گا“ ویدا نے شوخی سے ماں کو گلے لگایا اور نند کے رکنے کی توجیہ پیش کی ساتھ ہی بچوں کو جوتے پہننے کا اشارہ کیا۔ طائفہ ہکا بکارہ گئی۔

”اوہ۔ نو“ فہام نے چونک کر ویدا کے کہنے پر گھوم کر دیکھا۔ طائفہ کمرے کے کونے میں کھڑی دکھائی دی، ماتھے پر لاتعداد بل بڑ گئے۔ وہ باپ کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلا گیا تھا، لوٹا تو بس جانے کے لیے تیار کھڑی

تھی۔ اسے طائفہ کی آمد کی خبر ہی نہیں ہو سکی۔ ”بھابھی۔۔۔ پلیز ایک منٹ۔“ اس سے پہلے کہ کوئی اور بات ہوتی وہ ویدا کو بازو سے گھسیٹتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

”بس۔۔۔ اسی بات کی کمی تھی۔۔۔“ فہام ماں پر غصہ دکھاتا۔ وہاں سے اٹھ کر دھڑ دھڑ کرتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”آپ ابھی کیا کہہ رہی تھیں؟ میں یہاں نہیں رکوں گی۔ بالکل بھی نہیں“ طائفہ نے پیر پٹ کر احتجاج کیا۔

”یہ۔۔۔ بیگ میں گھر سے لائی تھی، اس میں تین چار سوٹ اور تمہاری ضرورت کا کچھ سامان ہے۔ ہفتے بھر کے لیے کافی ہو گا کچھ اور منگوانا ہو تو فون کر دینا“ ویدا نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بڑے آرام سے کلابیک تھما کر بدایت دی۔

”بھابھی۔۔۔ آپ تو مجھے گھر سے یہ کہہ کر لائی تھی کہ انکل کی طبیعت ٹھیک نہیں، ہم انہیں دیکھنے جا رہے ہیں، پھر اچانک یہاں رکنے کی بات؟“ وہ پریشانی میں تیز تیز بولتی چلی گئی، اس کے وہم و گماں میں بھی یہ سب نہیں تھا۔

”بے وقوف۔۔۔ کوئی اور عقلمند لڑکی ہوتی تو ایسے موقع پر خوشی سے جھوم اٹھتی۔ مگر مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی کہ منہ پھلاؤ گی۔“ ویدا نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے ایسی عقل نہیں چاہیے میں نے کہہ دیا ہے۔ بس آپ کے ساتھ چلوں گی“ طائفہ ضدی لہجے میں منہ بنا کر پاپاؤں پٹنا۔

”دیکھو جان میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ سچی خیر خواہ ہوں۔ اپنے بھائی کے ضدی مزاج کو پہچانتی ہوں اور جس سچویشن میں یہ نکاح ہوا ہے۔ فہام کے دل میں جگہ بنانے کے لیے کچھ کوشش تو تمہیں خود سے بھی کرنی پڑے گی۔ تم پر کوئی زور زبردستی نہیں مگر یہ جان لو کہ تمہاری خوشیوں بھری زندگی کی راہ اسی طرح ہموار ہو سکے گی۔ جب تم فہام کے دل اور اس گھر میں اپنی

وہ گھر میں ہوتا بھی تو اپنے کمرے تک ہی محدود رہتا۔
ویدا سمجھ گئی۔

”اچھا ذرا ماما کو فون دینا۔“ ویدا نے نند سے کہا تو وہ
اسری کو فون پکڑا کر باہر نکل گئی۔

”ہاں ویدا کیا ہو گیا ہے؟“ اسری نے مصروف انداز
میں پوچھا۔

”مما۔ ایسا کب تک چلے گا بھائی تو اس لیزا کے
خیال سے باہر ہی نہیں نکلتے۔“ ویدا نے آواز دبا کر کہا
سے شکوہ کیا۔

”یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے بلا وجہ کے رشتے جوڑ
دیے۔ جب فہام کو دیکھتی ہوں تو دل دکھتا ہے۔
دوسری طرف ڈرتی ہوں۔ طائی اتنی اچھی لڑکی ہے
کہیں اس کے ساتھ مزید کچھ برانہ ہو جائے۔“ وہ بیٹی
پر بھڑک اٹھیں۔

”اچھا۔ ایک تو اتنی اچھی گھریلو لڑکی سے آپ
کے بیٹے کی شادی کروادی اس پر بھی میں ہی بری
ہوں۔ ہو جاتی نا بھائی کی شادی اس انگریز سے تو ٹھیک
ہو تا سر پر ہاتھ رکھ کر روتیں۔“ ویدا نے بھی غصہ دکھایا
تو اسری بیگم گھبرا گئیں۔

”اچھا چھوڑو یہ باتیں شام کو آرہی ہونا“ انہوں نے
بیٹی کی ناراضی دور کرنے کے لیے میٹھا لہجہ اختیار کیا۔
”وہ تو ہم سب ہی آئیں گے۔ فی الحال آپ ایسا
کریں۔“ وہ ماں کو فون پر ہدایت دیتی چلی گئی۔



اسری نے دھڑ سے جا کر فہام کے کمرے کا دروازہ
کھولا۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے اپنے آفس کے کسی کام
میں منہمک تھا۔ چونک اٹھا۔

”بیٹا۔ آپ جا کر طائلہ کو کوئی اچھا سا گفٹ دلا دو۔
آج اس کی برتھ ڈے ہے“ انہوں نے بیٹے کی جانب
دیکھا جس کی نگاہیں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

”مما میں تو بہت بڑی ہوں آپ ڈرائیور کے ساتھ
چلی جائیں۔“ اس نے نگاہ اٹھائے بنا جواب دیا۔

”نہیں آپ جاؤ میں ذرا شام کے انتظامات دیکھنے جا

جگہ بنا لو۔“ ویدا کے سمجھانے پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔
”مگر۔“ طائلہ الجھ سی گئی۔

”کوئی اگر مگر نہیں یہ ہی موقع ہے ساس مسر اور
پاجی کے من میں جگہ بنانے کا بھی۔“ ویدا نے اس
کا نرم ہاتھ دبا کر دھیرے دھیرے کنولس کیا، کافی مغز
ماری کے بعد وہ یہاں ٹھہرنے پر تیار ہوئی۔

”امی اور بھائی کے کیا سوچیں گے؟“ طائلہ کے
ذہن میں آخری بات چمکی۔

”اف تمہارا کیا خیال ہے میں ان لوگوں کی مرضی
کی بنا کوئی ایسا قدم اٹھا سکتی ہوں۔ ویسے بھی تم میرے
بھائی کی بیوی بن چکی ہو اس لیے خوف و خطر ہو کر
یہاں رہو۔“ ویدا نے اس کی کمر ٹھونکتے ہوئے باہر کی
جانب قدم بڑھا دیے۔ وہ تھوڑی دیر لان میں اکیلی
کھڑی رہی۔

”اک نیا امتحان۔“ طائلہ نے ٹھنڈی سانس بھر
کر لرزتے وجود کے ساتھ مین ہال میں داخل ہوئی،
جہاں اسری بانو پیار سے ہاتھ پھیلانے اس کے
استقبال کو کھڑی تھیں۔



وہاں جانے کے دو دن بعد ہی اتفاق سے طائلہ کی
بائیسویں سالگرہ آگئی۔ ریاض احمد اپنے گھر پر یہ دن
منانا چاہتے تھے مگر اسری نے بیٹی کی ہدایت پر شام کو
چھوٹی سی پارٹی اریج کرنے کے بعد ان سب کو اپنے
یہاں ہی مدعو کر لیا۔ فہام سب کچھ جانتے ہوئے بھی
انجان بنا رہا۔

”ابھی برتھ ڈے۔ ڈیزر طائلہ۔“ صبح سے سب
نے فون کر کے اسے خوب وش کیا۔

”طائی۔ بات کچھ آگے بڑھی بھائی تمہارے
ساتھ ٹھک ہے نا۔“ ویدا نے خوش کرنے کے فوراً بعد
کریدا۔ مگر اس کے پاس جواب دینے کے لیے کچھ
نہیں تھا۔

”چھوڑیں نا۔۔۔ بھابھی۔۔۔ کوئی اور بات کریں۔“ وہ
ٹال گئی۔ اس کی فہام سے ملاقات ہی کہاں ہوتی تھی۔

رہی ہوں۔ یہ تیار ہو چکی ہے۔“ اسری پلٹ کر گئیں اور اسے زبردستی فہام کے کمرے میں لے کر آئیں۔ وہ ماں کے اقدام پر لھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

”آئی گفت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ طائلہ کی آواز میں لرزش تھی۔ فہام نے لھنڈی سانس بھر کر نگاہ اٹھائی۔ اس کی نروس کھل دیکھ کر ترس بھی آیا۔ چپ چاپ اسے لے کر اپنے من پسند دیوار کے پاس چلا گیا۔ وہ کھلے پاؤں کے ساتھ جگہ میک اپ میں کافی پیاری لگ رہی تھی۔

اس کو روٹی لگے ٹاپس دلاتے ہوئے دلکشی سے مسکرایا۔ طائلہ نے بھی نکاح کے بعد پہلی بار اپنے اندر اطمینان محسوس کیا۔ سیاہ چمکی ڈبا تھام کر فخر سے فہام کے برابر میں چلتی ہوئی شاپ سے باہر نکل رہی تھی کہ سلزمن نے پیچھے سے پکارا۔

”صاحب۔۔۔ یہ لیزا میم کی گولڈ کی چین۔۔۔ آپ نے پچھلی بار ان کی پسند پر آرڈر کی تھی۔ تیار ہو گئی ہے۔ پیک کروں؟“ فہام لمحہ بھر سٹپٹا گیا پھر نارمل انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ لیزا کے ساتھ یہاں اتنا زیادہ آتا تھا کہ شاپ والے ان دونوں کو میاں بیوی سمجھنے لگے تھے۔

”یہ لیزا کون ہے؟“ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد طائلہ نے دل کی خلش دور کرنا چاہی۔ اس نے بہت نرمی اور بظاہر لاپرواہی سے سوال پوچھا، مگر فہام اس کے دل میں اٹھنے والے وسوسوں کو جان گیا۔ اسے یہ ہی وقت مناسب لگا۔ مختصر الفاظ میں لیزا اور اپنی محبت کے بارے میں بتا دیا۔

”تو۔۔۔ پھر یہ نکاح کیوں کیا؟“ وہ رونے جیسی ہو گئی۔

”تمہارے بھائی کی مہمانی سے“ فہام نے اسے کٹھلی نظروں سے دیکھتے ہوئے چبا کر جواب دیا۔

”یہاں بھائی کا کیا ذکر یہ سب تو بھابھی کی رضامندی سے ہوا ہے“ طائلہ کو ریاض بھائی کا اس انداز میں ذکر اچھا نہیں لگا فوراً بولی۔

”ہمارے خاندانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں

جو اپنے آپ کو دل میں میاں اتن رکھتے ہیں۔“ فہام نے طنز کیا۔

”آپ کو اس بارے میں کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔ بھائی کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ ویدابھا بھی کے زور دینے پر ہی یہ رشتہ ہوا ہے۔ ان پر ریاض بھائی نے اس معاملے میں کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔“ طائلہ صفائی دیتے دیتے باکان ہو گئی۔

”تم تو اپنے بھائی کی سائنڈ ہی لوگی۔ بہر حال یہ بات ہمارے بیچ سے باہر نہیں نکلے ورنہ۔“ فہام کو یقین نہیں آیا۔ منہ موڑ کر گاڑی چلاتے ہوئے دھمکایا۔ وہ گھبرا گئی۔

”بیٹھے انور کرنے کی یہ وجہ ہے“ طائلہ نے اپنے برابر میں بیٹھے ہینڈ سم سے شوہر کو دل ہی دل میں مخاطب کیا۔ آج اسے اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس شخص کے دل میں ذرا سی جگہ بھی نہیں پاسکتی جس کے گھر میں اسے ساری عمر قیام کرنے کا پابند کر دیا گیا ہے۔ بس میں ہو تا تو پلٹ جاتی۔ مگر ساری کشتیاں جل چکی تھیں۔

اس نے سسکی کی آواز پر برابر میں بیٹھی طائلہ کو دیکھا اس کی آنکھیں متورم اور چہرہ اترا ہوا تھا۔ فہام کو اس کی برتھ ڈے خراب کرنے پر بہت افسوس ہوا۔ وہ مجبور ہو گیا تھا۔ چکی کے دوپاٹوں میں پس رہا تھا گھر والوں کے دباؤ میں آکر اس نے نکاح نامے پر دستخط تو کر دیے اور طائلہ کے ساتھ ایک بندھن میں بھی بندھ گیا، مگر لیزا کے محبت نامے پر جو دستخط کیے تھے وہ دل پر ثبت تھے اس کا کیا کرتا۔

”افسوس اپنی جگہ مگر لیزا کی حقیقت کا کھل جانا ہی اس کے مفاد میں ہے۔ اب وہ کم از کم ذہنی طور پر علیحدگی کے لیے تیار تو ہو جائے گی۔“ فہام نے گاڑی دروازے کے سامنے پارک کرتے ہوئے خود کو دلاسا دیا۔



لیزا کے بارے میں جاننے کے بعد طائلہ نے فہام

سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ اسے تو اپنی قسمت پر رونا آیا۔ وہ خود کو اس کا مجرم گردانتی۔ اپنے اخلاقی جرم کا ازالہ کرنے کے لیے خاموشی سے اس کے کئی کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینے کی کوشش کرتی۔ وہ فہام کے کمرے کی سیٹنگ چھینج کرنے آئی تھی۔ کافی رد و بدل کے بعد کمرہ بہت کھلا کھلا ہو گیا۔ طائلہ نے ایک بار گھوم کر بڑی اداس نگاہوں سے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ جہاں بسنے کے خواب نگاہوں میں سمائے ہوئے تھے۔

”نہیں اس پر میرا کوئی حق نہیں۔“ اس نے اپنی کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے تھام کر سر کو دبایا۔
”مجھ سے ایک بار پھر مسترد کیے جانے کا دیکھ ہرگز برداشت نہیں ہو گا۔ میں اپنے صبر سے آپ کو جیت لوں گی۔ مگر دنیا کو اپنا تماشا بنانے نہیں دوں گی۔“ طائلہ نے فہام کی ٹی شرٹ تھام کر سوچا اس کی نیندیں اڑ گئیں۔

”میں آپ کی بیوی ہوں۔ اپنا حق لے کر رہوں گی۔“ اس کے تے ہوئے بے رونق چہرے پر فیصلے کا عزم جاگواہ فہام کے بستر پر دراز ہو کر ایک نئے انداز میں سوچنے لگی۔

”ہمارے رشتے کی روتا تار ہو رہی ہے“ میں اب اس کی رفوگری آپ کروں گی۔“ وہ بے خیالی میں تکیہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ من میں اطمینان چھا گیا۔ نیند نے اس کی آنکھوں پر اپنا نرم ہاتھ رکھا۔ اور وہ سو گئی۔ فہام شام کو آفس سے لوٹا تو اپنے بستر پر سوئی ہوئی طائلہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”کل سے کتنی اداس ہو گئی ہے۔“ اسے جگانے کے لیے جھکاتو آنکھوں کی سو جن رونے کا پتا دے گئی۔

”میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور نہ ہوتا تو تمہاری دکھ کی وجہ کبھی نہ بنتا۔“ فہام نے آہستہ سے اس کے ماتھے پر سے بالوں کی لٹ ہٹا کر سوچا۔
بڑی بے دلی سے کپڑے اٹھا کر باہر نکل گیا۔

”لڑ تم میرے پاس واپس آ جاؤ۔“ اختیار بیگ نے بڑی محبت سے بیٹی کو حکم دیا۔

”پاپا آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایسا مشورہ دے رہے ہیں“ لیزا نے باپ سے فون پر بات کرتے حیرت کا اظہار کیا۔

”ہاں پاپا کی جان میں وہاں کے کلچر اور پاکستانی مرد کی سوچ کو تم سے بہتر جانتا ہوں اسی لیے تمہاری بھلائی کے لیے یہ مشورہ دے رہا ہوں۔“ وہ اپنی بالکنی میں کھڑے سردی سے کپکپاتے لہجے میں بولے۔

”بٹ پاپا، ہم سب سے جدا ہے وہ اس لڑکی کے لیے ایک اور رشتہ ڈھونڈ رہا ہے۔“ لیزا کے لہجے میں اعتماد لوٹ آیا۔

”وہ جتنا بھی جدا ہو لیکن اپنی بیوی کے لیے دوسرا... شوہر ڈھونڈنے کی زحمت کبھی نہیں کرے گا۔“ اختیار بیگ کا تجربہ اس کی سوچ سے سوا تھا۔
”پاپا... میں سمجھی نہیں؟“ لیزا الجھ گئی۔

”ڈارلنگ وہ جس فیملی کو بی لونگ کرتا ہے وہاں اس طرح کے فیصلے نہیں ہو سکتے۔ اس پر بہت دباؤ ہے ایک بات سوچو۔ جب وہ نکاح کے وقت مزاحمت نہ کر سکا تو اب کیا کرے گا؟“ باپ کی بات پر وہ قائل ہونے لگی۔

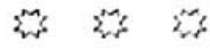
”پاپا وہ مجھ سے سچی محبت کرتا ہے۔“ اس نے کمزور سا دفاع کیا۔

”ہاں اس کا خراج ادا کرنے کے لیے وہ تمہیں دوسری بیوی بنالے گا۔ لیکن جو مقام اس کی پہلی بیوی کو سوسائٹی اور اس کی فیملی میں حاصل ہو گی۔ وہ تمہیں کبھی نہیں مل پائے گا۔“ وہ سنجیدگی سے بولے۔

”اوہ... یومین سیکنڈ پوزیشن۔“ لیزا نے ہونٹ سکڑے۔

”لیس اور میری بیٹی جو ساری عمر فرسٹ پوزیشن پر کھڑی رہی اس کے لیے یوں سروائیو کرنا مشکل ہو گا۔ میرا پھول کھلا جائے گا یہ بات آپ کے پاپا سے برداشت نہیں ہو گی۔ سو پلیر واپس آ جاؤ زندگی کسی

ایک پر ختم نہیں ہوتی۔" اختیار بیگ نے دو ٹوک انداز اپنایا۔
 "او کے پاپا تھوڑا سا ناٹم مزید دے دیں۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے باپ سے اجازت طلب کی اور فون بند کر دیا۔



"یہ کتنے حق سے میرے گھر اور مہیا پاپا پر قبضہ جما بیٹھی ہے" وہ بیوی لاؤنج کے صوفے پر پاؤں پیرا رہی تھی اسے مصروف انداز میں اندر باہر آتے جاتے دیکھتے ہوئے دانت کچکچانے لگا۔ طائلہ چند دنوں میں ہی یہاں کے روٹین کو سمجھ گئی، گھر میں اتنے کم افراد ہونے کی وجہ سے کوئی خاص کام نہیں ہوتا، پھر وہ بڑی مستعدی سے حسام مرزا کے پرہیزی کھانے اپنے ہاتھوں سے بناتی۔ گھر کو سمیٹ دیتی، فہام کی ایک چیز اب اپنی جگہ پر ملتی۔ وہ اسری کا بہت خیال رکھتی۔

فہام کو یہ باتیں پسند نہ تھیں۔ وہ اسے روکتا، منع کرتا رہتا، مگر وہ آفس جانے سے پہلے اس کی پسند کا ناشتہ بنا کر ٹیبل پر لگا دیتی، اس کا ٹمرہ صاف کرواتی، میلے کپڑے دھلواتی، یہاں تک کہ شرٹ کے ٹوٹے ہوئے بٹن تک وہ ٹانگنے بیٹھ جاتی۔ فہام طائلہ کے ہاتھ سے سوئی دھاگا اور کپڑے چھین کر لے جاتا۔

"تم میری نوکر نہیں ہو پلینز، مجھے یہ سب پسند نہیں۔" فہام اسے جتاتا۔

"گھر کے کام کاج کرنے سے انسان نوکر نہیں بن جاتا۔" وہ نرمی سے جواب دے کر کسی اور کام میں لگ جاتی وہ اسری کے اصرار پر اس کی پسند کی کوئی چیز بنانے کچن میں گھس جاتی اور فہام کو یہ بات پتا چل جاتی تو وہ ناراض ہونے لگتا۔

"تم کلک نہیں ہو۔ یہاں مہمان ہو۔ وہ ہی بن کر رہو!" اس کے جتانے پر وہ اذیت بھرے انداز میں مسکراتی، جانتی تھی کہ کیا مقصد ہے مگر اسے اب ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی فضول باتیں سنی ان سنی کر کے اپنا کام کیے جاتی۔ اسری اور حسام

مرزا اس کی تعریفیں کرتے تو جبرا "مسکراتی۔ ریاض احمد ایک دن بسن کو لینے بھی آئے مگر اسری نے اصرار کر کے مزید دو تین دنوں کے لیے روک لیا۔ وہ چپ ہو گئے۔

"السلام علیکم۔۔۔" فہام نے بہنوئی کو دیکھ کر سنجیدگی سے سلام کیا اور خاموشی سے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ بنا کوئی بات چیت کیے ریاض ششدر رہ گئے۔ ان کو پہلی بار یہاں آکر عجیب سا احساس ہوا۔



"فہام مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ میرے میاں تمہارے رویے سے بہت ہرٹ ہوئے" ویدا نے بھائی کے برابر میں بیٹھ کر شکوہ کیا "آج وہ خاص طور پر اسی مسئلے کو حل کرنے آئی تھی۔"

"میں ایک ایسے شخص کو عزت نہیں دے سکتا۔ جس نے شادی کے اتنے سالوں بعد بھی صرف اپنی بسن کا گھر بسانے کے لیے میری بسن کو علیحدگی کی دھمکیاں دی ہوں" وہ بے باک انداز میں اپنا موقف بیان کرتا چلا گیا۔

"تم سے یہ سب کس نے کہا؟" ویدا کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔ وہ کچکچا اٹھی۔

"مجھے نکاح کی رات ہی ممانے تمہارے شوہر کے ارادے بتا دیے تھے۔ صرف تمہاری وجہ سے اتنا کچھ برداشت کر رہا ہوں" وہ افسردگی سے بولا۔ ویدا کی تو جان ہی نکل گئی۔ اگر یہ بات ریاض یا طائلہ کو پتا چل جاتی تو وہ۔۔۔ سب کی نگاہوں میں گر جاتی۔ اس نے کچھ سوچ کر اپنے جرم کا اعتراف کرنے کی ٹھانی۔
 "بھائی یہ سچ نہیں ہے۔" وہ منمننا اٹھی۔
 "اچھا تو سچ کیا ہے وہ بتا دو؟" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"جب آپ نے لیزا سے میری پہلی ملاقات کرائی تو میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اس نے جس طرح کے ماحول میں پرورش پائی ہے۔ وہ ہمارے گھر میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکے گی۔ ہماری فیملی اس کی آزاد خیالی کو کبھی

بیٹھ گئی۔

یہ ساری باتیں سن کر دماغ پھٹنے لگا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی اپنی سگی بہن سسرال اور شوہر کی نگاہوں میں جگہ بنانے اور لیزا سے بلاوجہ کا عنداول میں پال کر ایسا کر سکتی ہے۔ ماں کی سوچ نے بھی اسے گڑبڑا دیا۔

”لڑ جانے کیوں اتنا مصروف رہنے لگی ہے۔“ اس نے غصے میں لائن کالی۔ وہ ان دونوں زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے پاس ٹائم ہی نہیں تھا۔ ابھی بھی اس کے ملنے کی خواہش مصروفیت کے آڑے آگئی۔

”طائلہ کے ہاتھوں کا ذائقہ اس کی سلیقہ مندی پراری صورت سب کچھ مانوس سے لگنا لگا ہے۔ وہ چند دنوں میں ہی گھر کا حصہ بن گئی ہے۔“ اسری کے پاس بس یہ ہی قصے ہوتے۔ وہ سن سن کر تھکنے لگا۔ حتیٰ کہ عاجز ہو کر باہر نکل جاتا۔ اسے کبھی کبھی خود پر غصہ آتا، وہ بیک وقت دو لڑکیوں کو دکھ دینے کی وجہ بنا ہوا تھا۔ اس کے مزاج کا چڑچڑا پن آج کل عروج پر تھا۔ جس کا نشانہ طائلہ بھی بن جاتی۔ بعد میں حسام مرزا اور اسری بیٹی کی کلاس لگاتے ان کے سونے گھر میں طائلہ کی وجہ سے رونق لگی تھی۔ طائلہ بھی خود پر بد نصیبی کا دھبا دوبارہ لگانے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس بندھن کو اپنی برداشت کی آخری حدوں تک جا کر نبھانے کی خواہش رکھتی تھی۔

وہ ایک لمبی واک کر کے گھر لوٹا تو ٹی وی لاؤنج میں حسام مرزا اور طائلہ کیرم کھیلنے میں مصروف تھے، خوب شور ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ اسری قریب بیٹھیں ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ بھی ماں کے اصرار پر بیٹھ گیا۔ طائلہ حسام مرزا کی چیٹنگ کر کے کوئن لینے پر کھلکھلائی تو اس کے گال پر ہنصور پڑنے لگے۔

”کوئی ہنستے ہوئے اتنا پیارا بھی لگ سکتا ہے۔“ وہ اس کی ہنسی کی دل کشی میں کھو گیا۔

”جانے کیوں اب اس کی سوچ صرف لیزا تک

قبول نہیں کر سکتی تھی۔ وہ شادی کے بعد تمہارے شانہ بشانہ سراٹھا کر چل سکتی تھی۔ مگر لوگوں کی باتیں ہمارا سر جھکا دیتیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی میرے باپ کے نام پر انگلی اٹھائے۔“ ویدا نے کپکپاتے لبوں سے کہا۔

”تمہاری سوچ قدامت پرستی کی نشانی ہے۔“ وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

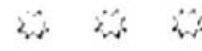
”نہیں آپ نہیں سمجھ سکتے ماما اس دن سے پریشان تھیں جس دن سے آپ نے گھر میں لیزا کا نام لیا۔ اکلوتی بسو کے حوالے سے ان کے بھی کچھ خواب تھے آپ نے سب ملایا میٹ کر دیے۔“ اس کی آجج دیتی نگاہ فہام پر تھی وہ سٹ پٹا گیا۔ اس انداز میں تو اس نے بھی سوچا ہی نہیں تھا۔

”آپ کو خبر ہے ماما کو سب سے زیادہ فکر یہ تھی کہ لیزا سے شادی۔ آپ کی آنے والی نسل پر کیسے اثر انداز۔ وہ کن ہاتھوں میں پروان چڑھے گی وہ اکثر مجھ سے اپنے دل کی باتیں کرتے ہوئے ہاتھ ملتیں تو میں بھی لرز اٹھتی۔“ ویدا نے بھائی کو حقیقت کے نزدیک کر دیا۔

”یہ سب فضول کے مفروضے ہیں۔“ فہام نے جھٹلانا چاہا۔ اور بغور وید کی اتری صورت دیکھی۔

”ایک دن ماما نے جب ٹھنڈی سانس بھر کر بتایا کہ وہ اپنی ہونے والی بسو میں کیسی خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں تو میرے سامنے خود بخود طائلہ کی صورت آگئی میں اپنے سسرال کے ماحول سے ویسے ہی گھبرا چکی تھی۔ اس پر طائلہ کی دودھ مٹگنیاں ٹوٹنے کی ٹریجڈی۔ مجھے یہ ہی حل بہتر دکھائی دیا۔ ماما سے بات کی تو انہوں نے آپ کی وجہ سے انکار کر دیا۔ بس سب کی بھلائی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ چھوٹا سا جھوٹ بولنے میں کوئی عار محسوس نہ کیا اور ریاض کا نام استعمال کیا۔ جب کہ سچ یہ ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی بات مجھ سے نہیں کی اور نہ ہی کسی قسم کا دباؤ ڈالا۔“ وہ سر جھکا کر تھوڑا شرمندگی سے بولی۔ فہام نے لب بھینچ کر بہن کو دیکھا اور ایک دم منہ پھیر کر وہاں سے اٹھ گیا۔ ویدا سر پکڑ کر

محدود نہیں رہی اس میں طائلہ کو بھی شراکت حاصل ہو گئی تھی۔ شاید ویداکے سچ نے طائلہ اور ریاض احمد کو بے قصور ٹھہرا دیا تھا۔



”کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟“ لیزا نے اسے سر پکڑا دیکھا تو حیرت سے سوال کیا۔ آج بہت دنوں بعد وہ فری ہوئی تو فہم کو ذر پر انواٹ کر لیا۔

”بس سردرد سے پھنسا جا رہا ہے۔ گلا بھی خراب ہے“ کالی دقت سے اپنا حال بیان کیا اس کی طبیعت صبح سے خراب تھی مگر وہ صرف لیزا کا دل رکھنے کو وہاں چلا آیا۔

”یہ دیکھیں میں نے آپ کے مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالا“ وہ اندر گئی اور ایک براؤن کلر کالفاہ تھاے لونی۔ ”یہ کیا ہے؟“ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

”یہ فراز انور بہت اچھے اور قابل شخصیت ہیں میرے گولیگ ہیں کئی سالوں سے جانتی ہوں والدین کا انتقال ہو چکا ہے بہنیں شادی کے بعد اپنے گھر کی ہو چکی ہیں۔ یہ کسی اچھی فیملی کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا آپ بھی تو اپنی مسز کے لیے ایک شریف لڑکا تلاش کر رہے ہیں سو۔“ لیزا نے اس کے تاثرات بھانپنے کے لیے تصویر اسے تھمائی۔ ”ہونہ۔“ فہم کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا اس نے تصویر پر ایک بد مزاسی نگاہ ڈالی اور سائڈ میں رکھ دی۔

”کیوں کیا ہوا پسند نہیں آئے؟“ لیزا نے گہرے انداز میں پوچھا۔ اس کا دل لمحہ بھر کو سکڑا۔

”ٹھیک ہیں مگر اتنی جلدی کیسے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔“ وہ ناگواری سے بولا سچ تو یہ تھا کہ طائلہ کے ساتھ ایک غیر مرد کو جوڑنا اسے بہت برا لگا۔ شاید اس کی بیوی تھی یا۔ اندر سے وہ خود تبدیل ہو گیا تھا۔

”پاپا آپ جو سمجھانا چاہ رہے تھے اس آزمائش سے وہ بات سچ ثابت ہوئی۔“ لیزا نے پہلو بدل کر اپنے دکھ پر کنٹرول قائم رکھا۔ کمزوری ظاہر کر کے خود کو اپنی

نگاہوں میں مزید گرانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ایک دم موڈ خوشگوار کر لیا۔ درحقیقت فراز انور نے اسے پرپوز کیا تھا وہ کافی عرصے سے لیزا کو پسند کرتا تھا۔ مگر اب ہمت کر کے شادی کی پیش کش کی۔

”اوہ اچھا چلیں کھانا کھاتے ہیں۔ میرا کنگ آج چھٹی پر ہے۔ اس لیے میں نے آپ کی پسندیدہ چٹنارے دار بریانی اور چلی کباب آرڈر کیے ہیں۔“ وہ خوش دلی سے بولی فہم کی سنگت میں رہ کر وہ خود بھی ایسا سی کھانوں کی عادی ہو چکی تھی۔

”اچھا مگر مجھے تو گلا خراب ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر نے چٹ پٹی اور آٹلی چیزوں سے پرہیز بتایا ہے۔“ وہ پریشانی سے بولا۔

”اوہ۔ اب کیا کریں؟ میں نے تو کھانا آرڈر کر دیا تھا۔“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”ایک کام کرو میں تھوڑی دیر یہاں لیٹ جاتا ہوں تم جب تک کھجڑی اور دسی انداز کا سوپ بنالو صبح وہ پیا تھا تو گلے کو کافی آرام ملا۔“ فہم نے نشو سے ٹاک پونچھی اور صوفے پر آرام وہ حالت میں لیٹ کر بے خیالی میں بدایات جاری کر دیں۔ اس کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ سامنے طائلہ نہیں لیزا ہے۔

”فیم۔“ مجھے تو کھجڑی۔ بتائی نہیں آتی ان فیکٹ سوپ بھی انسٹنٹ بناتی ہیں لیزا اسے حیرانی سے تنگنے لگی۔

”اوہ کوئی بات نہیں رہنے دو۔“ وہ مسکرا کر بولا مگر دل میں عجیب سا احساس جاگا۔

”آپ کہیں تو کوئی اور چیز آرڈر کر دوں۔“ وہ تھوڑی دیر تک اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت جانچتی رہی اس کے بعد پوچھا۔

”نہیں ڈیر آج کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔“ اس نے بہانہ بتایا چہرے پر بے زاری چھا گئی۔

”اوکے۔ چائے کے ساتھ سلاٹس لائی ہوں۔“ لیزا کے اصرار پر اس نے مجبوراً ”سرہلا دیا۔ وہ نزاکت سے کچن کی جانب برہم گئی۔

”مجھے ان کے نکاح کے بعد ہی پیچھے ہٹ جانا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیارے بچوں کے لئے پیاری پیاری کہانیاں



بچوں کے مشہور مصنف

محمود خاور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں
پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے
آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت

قیمت - 300/- روپے

ڈاک خرچ - 50/- روپے

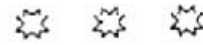
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

چاہیے تھا۔ کم از کم یہ سب تو برداشت نہیں کرنا
پڑتا۔ اس نے سنک کا نل کھول دیا، اپنے آنسو پانی
کے ساتھ بہا دیے۔

”فہام میاں آپ جتنے بھی الزام ڈھو جائیں۔ اندر
سے مشرقی ہی رہیں گے۔ جسے اپنی عورت کے ساتھ
کسی غیر مرد کا نام بھی گوارا نہیں۔ بیوی خدمت گزار
چاہیے۔ جس کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کھانے
تسکین دیتے ہیں، ناز نخرے اٹھوانے کا شوقین بے
چارہ مرد۔“ اس نے حقیقت سے نظریں ملائیں۔
ایک دم طائلہ کی خدمت گزاریاں یاد آ گئیں۔ اب کی
بارہ دو حصوں میں بٹ چکا تھا۔ فہام ایک نئی سوچ میں
بتلا ہو گیا۔



لیزا جانے کیوں لندن جا کر ایس منظر میں چلی گئی۔ وہ
اسے بہت مس کر رہا تھا۔ فون کرتا مگر اکثر اس کا فون
(صوتی) وائس میل پر لگا ہوتا۔ وہ کئی پیغامات ریکارڈ کرا
چکا تھا، پر کوئی جواب نہیں ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے لیزا اس
سے بھاگ رہی ہو یا بہت دور چلی گئی ہو۔

”کیا پتا دروازہ کھلے نہ کھلے آگے بڑھنے کا راستہ ملے
نہ ملے؟“ فہام ایسے بند دروازے کے سامنے آکھڑا
ہوا۔ جس کی چابی کھو گئی ہو۔ دل برتا امید ی طاری
ہونے لگی، وہ نڈھال ہو گیا، سو سے جاگ اٹھے۔

”ہاں میں نے یہاں لندن میں شادی کر لی ہے“
ایک دن اس نے فون کر کے دھماکا کر دیا۔ اپنی اور فراز
انور کی شادی اور ٹرانسفر کی خبر بڑے نارمل انداز میں
سنائی۔ اس کا پاکستان لوٹ کر آنے کا اب کوئی ارادہ نہ
تھا۔

وہ اس انکشاف پر گم صم سارہ گیا، مبارک باد دینا
تک بھول گیا۔ ہوش ٹھکانے آئے تو شکوہ ہونٹوں سے
پھسل گیا۔

”لڑیے تم نے ایسا کیوں کیا؟“ اس نے پسینے سے
ترہتر ہوتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔ اور دونوں
ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔

”کیا کرتی یہ دیکھ دیکھ کر جھلس ہوتی رہتی کہ۔۔۔“
آپ اپنی بیوی کے معاملے میں کتنے غیرت مند بن گئے
ہیں۔ یا اس بات پر رشک کرتی کہ طائلہ کے ہاتھوں
میں کتنی لذت ہے۔ وہ گھر داری میں کتنی پرفیکٹ
ہے۔“ وہ اس کا ذہن پڑھ چکی تھی۔

”تم غلط سوچ رہی ہو۔“ فہام نے بہانہ بنایا۔

”فیم میں اچھی طرح سے سمجھتی ہوں، جس دن
سے آپ نے میرا اپنی بیوی سے موازنہ شروع کیا،
میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا جان گئی کہ اب
محبت بٹ گئی ہے“ پلیرز ادا بھی ہو کر بولی۔
”مجھے ایک موقع تو دیتیں۔“ وہ صفائی پیش کرنے
لگا۔

”مان جائیں یہ ہی وقت کا صحیح فیصلہ ہے۔“ اس
نے اصرار کیا۔

”جب سارے فیصلے تم نے اپنے ہاتھوں میں لے
لیے پھر میرے پاس کہنے کو کیا بچا ہے؟“ وہ شکست
خورہ سا بولا۔

”فیم ایک بات کہوں آپ نا چاہتے ہوئے بھی اپنی
بیوی کے سحر میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اپنے دل میں
جھانک کر دیکھیں ابھی بھی کچھ بگڑا نہیں اس کو اپنے
نکمل ساتھ کا احساس دلا دیں۔“ لیزا نے ایک اور
حقیقت سے پردہ چاک کیا۔ وہ سن سارہ گیا۔



فہام لیزا کی جدائی کے بعد سے سنبھل نہیں پا رہا
تھا۔ اب طائلہ کی جانب لوٹنا ایک بد دیانتی لگ رہی
تھی جیسے کوئی اور چارہ نہ رہے۔ ذہن میں ہمیشہ دوسرا
آپشن رکھنے والا طائلہ کو آپشن نہیں سمجھ رہا تھا۔ وہ
ایک جیتی جاگتی حساس لڑکی تھی۔

اسی لیے زیادہ تر گھر سے غائب رہنے لگا۔ فرصت
کے لمحے بھی نہ جانے کہاں گزارنا؟ ایک دن خود سے
لڑتے لڑتے تھک گیا۔ سخت سردی میں پوری رات
لان میں ٹہلتے ہوئے گزارا صبح بیمار پڑ گیا۔ ایسے وقت
میں ماں اور طائلہ کی توجہ اور ہمدردی کے پھائے کبھی

بھلے اور کبھی برے لگتے۔

اس وقت بھی طائلہ اندر داخل ہوئی تو فہام نے
ہانپتے ہوئے اسے دیکھا، ہاتھ میں گرم سوپ کا پالہ
تھا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں موند کر سونے کی
ایکٹنگ کی۔

طائلہ نے دھیرے سے اس کے ماتھے پر انگلیاں
پھیریں، تاکہ نمبر پچر کا اندازہ کر سکے۔ ایک ملائمت
ایک ٹھنڈک سی فہام کے سارے وجود میں پھیل گئی۔
اس نے پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ اپنے کام
میں جتی رہی۔ پہلے تکیہ لگا کر سر اونچا کیا، نیچا کر
میں دیا اور پھر چپے سے سوپ پلانے لگی۔

”کیسی لڑکی ہو۔ میں تمہیں اتنا نظر انداز کرتا ہوں
۔۔۔ برا بھلا کہتا ہوں تمہارے ہر کام میں سو سو کیڑے
نکالتا ہوں پھر بھی تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ خاموشی
سے میرے دیے ہوئے دکھوں کو سہتی چلی جا رہی ہو“
تھوڑی دیر تک ٹکٹکی لگا کر اسے دیکھتا رہا۔ برداشت
جواب دے گئی تو پھٹ پڑا۔

اسری نے صبح ہی اطلاع دی تھی۔ آج طائلہ کی
اپنے گھر واپسی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے لیے دل
میں نفرت لے کر یہاں سے لوٹے، تاکہ جدائی کے
راستے آسان ہو جائیں۔

”تمہارا خاموش رہنا۔۔۔ صبر و تحمل خدمت
گزاریاں میرے ارادوں کی راہ میں رکاوٹ بن کر
کھڑی ہیں پلیرز، مجھے برا بھلا کہو میں تمہاری نظروں میں
اپنے لیے بے رخی، نفرت اور بیزاری دیکھنا چاہتا ہوں
تاکہ اپنا راستہ آسان کر سکوں۔ سن رہی ہو میں تم
سے دور بھاگنا چاہتا ہوں، میں تم سے نفرت کرنا چاہتا
ہوں تمہیں چھوڑنا چاہتا ہوں۔“ وہ چلایا لیکن طائلہ
نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے چپے میں سوپ بھر
کر اس کے ہونٹوں کے نزدیک لے گئی۔

”میں تمہاری بے غرض محبت اور خلوص سے آکتا
گیا ہوں۔ اس سے فرار چاہتا ہوں۔“ فہام نے غصے
میں چمچہ دور پھینکا اور طائلہ کو جھجور ڈالا۔

”آپ میرے منہ سے یہ ہی سنتا چاہ رہے ہیں تاکہ

میں آپ کو چھوڑ رہی ہوں۔ آپ کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔“ اس نے فہام کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

”پہلے آپ وعدہ کریں؟“ وہ بچوں کی طرح مچلی۔
”وعدہ۔۔۔؟“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں وعدہ جو کبھی کسی حال میں نہیں توڑیں گے؟“
طائلہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

”ٹھیک ہے۔“ اس کے چہرے پر پھیلی دیرانی نے فہام کو مجبور کر دیا اس سے اقرار کرتے بنی۔

”تاعمر میرا نام اپنے نام کے ساتھ جزار بنے دیں گے۔“ وہ ایک دم اس کے بھاری مردانہ ہاتھوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ کر التجا کرنے لگی۔ فہام چپ سا رہ گیا کیسے کتنا وہ خود طائلہ کو دل سے قبول کر چکا ہے۔

”مجھے صرف ایک بار رخصت کرا کر اس گھر میں لے آئیں اس کے بعد میں زندگی بھر کچھ نہیں مانگوں گی آپ چاہیں تو لیزا سے شادی کر لیں۔ بس مجھے خود سے علیحدہ نہ کریں آپ کے بنا میرا وجود ادھورا ہو جائے گا وہ فہام کی خاموشی سے گھبرا اٹھی۔ روتے ہوئے بولی تو فہام اندر سے دہل گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ محبت کی کون سی قسم ہے۔ قربانی کا کیسا جذبہ ہے جس کے آگے وہ ہارنے لگا تھا۔ کیسے جیت رہی تھی اس کا ذہن سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اسیر وفا سے فکروں اور غموں سے آزاد کر گئی۔

”میری زندگی۔ میں بس تم ہو۔ کوئی دوسرا نہیں اور تاعمر تم ہی رہو گی۔“ اس نے بے قرار ہو کر طائلہ کے ماتھے پر اپنے پیار کی پہلی مرثبت کر دی۔ وہ حیران رہ گئی پھر جیسے خوشیاں پھول بن کر ان دونوں کے اوپر برسنے لگیں۔



”یہ سرخ رنگ تم پر کتنا چر رہا ہے۔ آنکھوں کا کاجل ہاتھوں کی چوڑیاں کانوں کے آویزے“ دنیا کی

ساری خوب صورتی جیسے آج تمہارے اندر آکر صم ہو گئی ہیں!“ وہ طائلہ کے سر پے کو سراہتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔ اسے شرم آگئی۔ اپنے آپ میں سمٹ کر اور خوب صورت دکھائی دی۔

آج ان دونوں کی رخصتی کی تقریب تھی۔ بیک گراؤنڈ میں ہلکا سا میوزک بج رہا تھا۔ دونوں طرف کے لوگ خوشی سے دلہن دلہا کے ساتھ فیملی فونویشن کرانے کے لیے اسٹیج پر جمع ہو گئے۔

”بھائی۔۔۔ اب تو مان جاؤ میرا فیصلہ تمہاری خوشیوں کی ضمانت بن گیا“ ویدا نے اس کے مقابل کھڑے ہو کر پیار سے بکے پیش کرتے ہوئے کہا۔

”میری بہن شاید میری قسمت میں سب کچھ یوں ہی ہونا لکھا تھا“ فہام نے کھڑے ہو کر بہن کو پیار سے گلے لگاتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم رو پڑی۔ ویٹرز نے ویلکم ڈرنک سرو کیے۔ مہمان خوش گپیوں میں مصروف اس پر وقار تقریب کو انجوائے کر رہے تھے۔ فہام نے اتنی جلدی چھالی کہ قریبی رشتے داروں کی موجودگی میں ہی سادگی سے فنکشن ارجن کرنا پڑا۔

”شکر ہے۔ مالک میری زندگی میں بھی یہ وقت آیا کہ فہام کی آنکھوں میں میرے لیے چاہت کی شمعیں روشن ہو گئیں“ شوہر کی سراہتی نگاہیں اسے انوکھی تسکین بخش رہی تھیں اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور شکر ادا کیا۔

خود میں فہام کا انہماک دیکھ کر اسے چین مل گیا جیسے دریا پر سے سیلاب گزر جانے کے بعد اس کی سطح آب پر سکون ہو جاتی ہے۔ نکاح کے بعد سے طائلہ کے نزدیک اپنا وجود غیر اہم ہو گیا۔ مگر آج رخصتی کی تقریب میں فہام کے برابر والی نشست پر بیٹھ کر اس کا اعتماد کئی گنا زیادہ بڑھ گیا اس نے خود کو ایک قیمتی موتی تصور کیا جو فہام کی پگڑی میں سجنے جا رہا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں
www.iqbalkalmati.blogspot.com